اہل اللہ کے

جوتوں کی خاک

میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ اولیاء اللہ کے جوتوں کی خاک کے ذروں میں سے جو موتی ملتے ہیں وہ بادشاہوں کے تاجوں میں نہیں ہوتے، نہیں ہوتے، نہیں ہوتے۔ اللہ تعالےٰ میرے دونوں مربیوں کی قبروں پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ میرے دل میں ان کی بڑی عزت ہے۔ مجھے اللہ نے جو کچھ عطا فرمایا ہے انہیں کی دعاؤں سے اللہ تعالےٰ کی اِس نعمت کی میرے دل میں اتنی قدر ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ فرمائے کہ اے میرے بندے یہ نعمت واپس دے دے تو میں اس کے عوض تجھے تاج شاہی پہنا دوں گا تو میں عرض کروں گا اے اللہ! آپ تاج شاہی کسی اور کو پہنا دیں مجھے اس کی ضرورت نہیں میرے پاس یہ نعمت ہی رہنے دیجیے۔

فرمودہ

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ قدس سرہٗ

مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور پاکستان

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

محمد سعید الرحمٰن علوی

ایک جامع دعا

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ وسلم عَلَّمَهَا هٰذَا الدُّعَاءَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهٖ عَاجِلِهٖ وَ اٰجِلِهٖ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ اَعْلَمْ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهٖ عَاجِلِهٖ وَ اٰجِلِهٖ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَ مَا لَمْ اَعْلَمْ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَئَلَكَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَ نَبِيُّكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَ نَبِيُّكَ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ وَّعَمَلٍ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ النَّارِ وَمَا قَرَّبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ وَّعَمَلٍ وَ اَسْئَلُكَ اَنْ تَجْعَلَ كُلَّ قَضَاءٍ تَقْضِيْهِ لِیْ خَيْرًا۔

(ابن ابی شیبہ و ابن ماجہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم نے مجھے یہ جامع دعا تعلیم فرمائی (جس کی ابتدا یہاں سے ہوتی ہے اللّٰھم انی اسئلک من الخیر۔۔۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔)

"اے اللہ! میں تجھ سے ہر قسم کی خیر اور بھلائی مانگتی ہوں، دنیا کی خیر بھی اور آخرت کی خیر بھی۔ وہ خیر بھی مانگتی ہوں جس کو میں جانتی ہوں اور وہ بھی جس کو میں نہیں جانتی، اور میں تیری پناہ چاہتی ہوں ہر قسم کے شر اور برائی سے۔ دنیا کے بھی شر سے اور آخرت کے بھی شر سے۔ اس شر سے جس کو میں جانتی ہوں، اور اس سے بھی جس کو میں نہیں جانتی۔ اے اللہ! تیرے خاص بندے اور پیارے نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے جس خیر کا بھی تجھ سے سوال کیا میں (بھی) تجھ سے اسی کا سوال کرتی ہوں۔ اور جس جس شر سے انہوں نے تیری پناہ چاہی اے اللہ! میں بھی اس شر سے تیری پناہ چاہتی ہوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے جنّت مانگتی ہوں اور اس قول و عمل کی توفیق کی طلبگار ہوں جو مجھے جنّت سے قریب کردے اور میں تجھ سے دوزخ سے پناہ چاہتی ہوں اور ہر اس قول و عمل سے بھی پناہ مانگتی ہوں جو دوزخ سے قریب کرنے والا ہو۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتی ہوں کہ جو فیصلہ تو میرے حق میں فرمائے وہ میرے لیے خیر اور بھلائی کا باعث ہو۔"

ہم نے صفحہ احادیث میں امّ المومنین سیّدہ صدّیقہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا و رضوانہ کی مرویات میں سے ایک ایک روایت کی تشریح کا بیڑا اٹھایا اور چاہا کہ چالیس روایات کی تشریح پیش کر دیں تاکہ امّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کی عظمت کا اندازہ ہو سکے کہ وہ کس طرح جامع العلوم

(باقی ۴ پر)

جلد ۲۶ ۞ شمارہ ۹
۱۷ رشوال المکرم ۱۴۰۰ھ ۞ ۲۹ راگست ۱۹۸۰ء

—— اس شمارہ میں ——

رئیس الادارہ

پیرِ طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ

مدیر منتظم : —— میاں محمد اجمل قادری

مدیر : —— محمد سعید الرحمٰن علوی

بدل	سالانہ -/۹۰ روپے ، ششماہی -/۳۰ روپے
اشتراک	سہ ماہی -/۱۵ روپے ، فی پرچہ ۱/۵۰ روپیہ

خونِ مسلم کی ارزانی

آج دنیا میں مسلمان کا خون جتنا ارزاں ہے اتنی اور کوئی چیز ارزاں نہیں ۔ فلسطین ، قبرص ، اریٹیریا ، بھارت ، افغانستان وغیرہ میں ہر جگہ بڑی ہی بے دردی سے یہ کھیل کھیلا جا رہا ہے ۔ اور افسوس کہ آج کوئی حجاج بن یوسف نہیں جو محمد بن قاسم کو کفر کی گوشمالی کے لیے بھیجے ، کوئی معتصم باللہ نہیں جو کفر کو بیچ میدان للکارے ، کوئی طارق بن زیاد نہیں جو کشتیاں جلا کر ہر ملک ملکِ ماست کا نعرۂ رستاخیز بلند کرے ۔ کوئی شہاب الدین غوری اور محمود غزنوی نہیں جو تلواروں کی چھاؤں میں سوچتے —— آہ کہ آج کوئی امیر المومنین سید احمد شہید نہیں جن کے دل جذبات مسلمانوں کی تکالیف پر ابل پڑیں اور وہ اپنے ساتھیوں سمیت کفر سے ٹکرا جائیں —— آج رسمی تشویش کا دور دورہ ہے ، قرار دادیں ہیں ، اخباری احتجاج ہے اور بے ننگ و نام لیڈروں کے قلمی معرکے ہیں ۔

کیا اس طرح القدس آزاد ہو جائے گا ؟ فلسطینیوں کو ان کے حقوق مل جائیں گے اور دوسرے مقامات پر مسلمان امن و سکون حاصل کر لیں گے —— نہیں اور ہرگز نہیں ، اس کا ایک ہی علاج ہے کہ مسلمان حکومتیں اپنی فکر کا قبلہ راست کریں ۔ شہزادہ فہد نے جہاد کی ضرورت پر زور دیا ہے اور متحدہ عرب امارات کے سربراہ نے مشترکہ دفاعی کمان کی بات کی ہے ۔ باتیں دونوں درست ہیں اور وقت کی شدید ضرورت !

مسلم نوجوانوں کو تعلیم ، تہذیب اور ثقافت کے نام پر آوارگی کا خوگر بنایا جا رہا ہے بلکہ بنایا جا چکا ہے —— اے حاکمانِ وقت ! اس رویّہ پر نظرِ ثانی کرو ، اے اہلِ علم ! خدا را قوم کو فروعی اور خود ساختہ مسائل میں نہ الجھاؤ ، اے مشائخِ طریقت !

دل کی بستیاں آباد کرو ۔۔۔ اے دانشورانِ عزیز! اپنی صلاحیتوں کو قوم کی تعمیر میں لگاؤ، مجاہدو! سرحداتِ اسلامی کا دفاع کرو اور باقی کام ترک کر دو۔ انہی بنیادوں پر دنیا میں تم پنپ سکوگے۔ اسی طرح تمہارا خون اور تمہاری عزت بچے گی ورنہ مٹ جاؤگے اور ایسے کہ تمہاری داستان بھی نہ ہوگی۔ قدرت تمہاری جگہ کسی اور کو کھڑا کر دے گی کیونکہ وہ اس پر قادر ہے۔ اے اللہ! تو ہمارے گناہوں کو معاف فرما ہمارے اکابرین کو صحیح فہم نصیب فرما اور ہمیں اپنے اسلاف کی طرح دنیا میں غلبہ نصیب فرما۔

علی

بقیہ : احادیث الرسولؐ

ہیں کہ زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق ان سے روایات مروی ہیں۔ ساتھ ہی "چہل احادیث" کے سلسلہ میں احادیث میں جس ثواب کا وعدہ ہے اللہ کے فضل سے اس کے مستحق بن سکیں اور اپنے گناہوں کی تلافی کر سکیں۔

آج کی پیش کردہ روایت جس میں ایک جامع دعا کا ذکر ہے۔ اس پر چالیس احادیث پوری ہو گئیں (الحمد للہ علیٰ ذالک) اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ کاتب الوحی خال المسلمین امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات میں سے چالیس روایات پیش کرنے کا عزم ہے (اللہ تعالیٰ توفیق و ہمت دے)

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے اس کے الفاظ اور معانی آپ کے سامنے ہیں۔ جامعیت کی ایک مکمل شان اس میں موجود ہے دعا کے یہ وہ کلمات ہیں جو دنیا کے سب سے بڑے "بندے" اور خالق کائنات کی تخلیق کے شاہکار محمد عربی سلام اللہ تعالیٰ علیہ وصلاتہ نے اپنی محبوب ترین اہلیہ کو تعلیم فرمائے۔ ظاہر ہے کہ ارشاد نبویؐ کے مطابق دعا عبادت کا مغز ہے اور سچ یہ ہے کہ دعا قلب و نظر کی تسکین کا باعث ہے زخمی دلوں کی مرہم پٹی کا اس میں سامان ہے۔ قرآن کریم میں اللہ نے ان لوگوں کی مذمت کی جو عبادت و دعا سے تکبر و اعراض کرتے ہیں۔ اور ایک جگہ وعدہ فرمایا کہ جو مانگوگے دوں گا۔

دعا پورے اہتمام اور خشوع خضوع سے کی جائے اور اس تصور کے ساتھ کی جائے کہ میرا رب سن رہا ہے۔ میرے حالات سے واقف ہے، میری ضروریات سے آگاہ ہے، وہی مشکل کشا، دانا اور حاجت روا ہے۔ تو اس کی رحمت اپنے مظلوم بندوں کا سہارا بنتی ہے۔

اللہ کے نبی بایں جاہ و مرتبہ جو اللہ نے انہیں عطا فرمایا تھا۔ خالق کائنات سے جب مانگتے تو رو رو کر حالت غیر ہو جاتی، داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ جب کوئی اجتماعی پریشانی سامنے آتی جنگ کی شکل میں یا زمینی و آسمانی گرفت کی شکل میں تو سرکارؐ آستانۂ قدس پر جھک جاتے اور ہمیں یہی تعلیم ہے کہ جو مانگنا ہے اسی سے مانگو، جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو بھی اسی سے فریاد کرو۔

قرآنی دعائیں اور پھر وہ دعائیں جو احادیث میں منقول ہیں ان سے بڑھ کر دعا کے لیے کوئی الفاظ نہیں اور یہ دعا جو اس روایت میں ہے۔ سبحان اللہ۔ صاحب جامع الکلم علیہ السلام نے دریا کوزہ میں بند کر دیا۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے مانگنے اور صحیح طریقہ سے مانگنے کی توفیق دے۔

حدیث کے مطابق حرام کھانے پینے والوں کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں اللہ تعالیٰ اس سے بچائے اور محروم نہ فرمائے۔

مرد اور خواتین یکساں کسی تبدیلی کے بغیر اس دعا کو پڑھ سکتے ہیں۔ یاد کریں۔ اور ہر نماز کے بعد اس طرح دعا مانگیں ۔۔۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے۔

خطبہ جمعہ

ترتیب: مولانا عبدالرؤف فاروقی

قرآن ایک عالمگیر انقلاب کا داعی ہے!!

○ جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عبید اللہ انور مدظلہم ○

الحمد للہ وکفی وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفی، خصوصًا علی سید الرسل وخاتم الانبیاء، امّا بعد: فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:-

فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰہُ بِلِسَانِکَ لِتُبَشِّرَ بِہِ الْمُتَّقِیْنَ وَتُنْذِرَ بِہٖ قَوْمًا لُّدًّا ۔ صدق اللہ العظیم

محترم حضرات! رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ ہم سے رخصت ہو چکا ہے۔ واقعی وہ ایک معزز اور باعثِ رحمت مہمان تھا جس کے جانے سے ہر مسلمان کا دل رنجیدہ ہوا اور ہر روزہ دار نے یہ خواہش کی کہ کاش یہ مہینہ چند روز اور ہم میں رہتا تو ہم کچھ اور نیکیاں کما لیتے۔ یہ ماہ مبارک دراصل نیکیوں کا موسم ہے کہ شیاطین کے بند ہو جانے کی وجہ سے ہر مومن کا دل اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اپنے اپنے ظرف، حوصلے اور ہمت کے مطابق ہر انسان اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے سرفراز ہوتا ہے۔

محترم حضرات! ماہِ رمضان کی دیگر برکات کے علاوہ انسانی برادری کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رمضان کا سب سے بڑا تحفہ قرآن ہے جو تمام انسانوں اور اقوام عالم کی رہنمائی کے لیے اللہ کے آخری پیغام اور دستور العمل کے طور پر نازل ہوا ہے۔ رمضان کے مہینہ میں مسلمان اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تراویح میں قرآن کی سماعت کے علاوہ خود زیادہ سے زیادہ اس کی تلاوت اور محافل کا اہتمام ہوتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے رمضان گذرتے کے ساتھ ہی قرآن کے ساتھ ہمارا وہ تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک عرصہ سے غیر مسلم سازشوں اور مفاد پرست و دنیا دار مذہبی طبقوں، رسمی واعظوں اور کاروباری مقرروں نے اپنے اپنے مقاصد کے لیے سادہ روح اور جاہل عوام کو صرف یہ بتایا ہے کہ قرآن صرف چھومنتر اور دم درود کی کتاب ہے جو برکت کا باعث، ثواب کا ذریعہ اور ایصالِ ثواب کے نتیجہ میں عذاب میں تخفیف کا ایک عمل ہے اور بس! اس طرح قرآن کی روح سے قوم ناواقف ہو گئی یہی وجہ ہے کہ پڑھنے پڑھانے کی حد سے آگے نکل کر جب اس قرآن پر عمل کا مرحلہ آتا ہے تو قوم کی ایک واضح اکثریت اس کے لیے آمادہ و تیار نہیں ہوتی۔ حالانکہ قرآن ایک انقلابی کتاب ہے اور یہ عمل کے لیے نازل ہوئی ہے اس نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں انقلابی اصلاحات کے بیان کے بعد ہر فرد و بشر سے مطالبہ کیا ہے کہ ان اصلاحات کو اپنی عملی زندگی میں نافذ کریں اور ان کے مطابق اپنی زندگی کے شب و روز گذاریں۔

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ قرآن نے ظلم و استحصال، سفاکی و بربریت، شرک و کفر اور سرکشی و طغیان کے معاشرہ میں انقلاب برپا کیا اور ایسی تبدیلیاں پیدا کیں کہ وہ معاشرہ اخلاق و کردار و عدل و انصاف، نیکی و تقویٰ و فلاح و اصلاح کا ایسا مثالی معاشرہ بن گیا کہ جو بعد کی تمام انسانیت کے لیے مشعلِ راہ و مثال کی حیثیت رکھتا ہے۔

محترم حضرات! قرآن کے حامل اور داعیٔ حق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل جو لوگوں کی ... بھی کون سوچ سکتا تھا کہ وہ تبدیل ہو گی۔ شراب، زنا، ... ، قتل و غارتگری اور برائیوں کے رسیا لوگ کہ یہ برائیاں جن کی گھٹی میں پڑ چکی تھیں، کون سوچ سکتا تھا کہ یہ ان برائیوں کے بغیر بھی زندگی گزار سکیں گے قرآن حکیم نے جس حکمتِ عملی سے اپنی انقلابی اصلاحات کو نافذ کیا اور انقلاب کے علمبردار حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے خود اُن پر عمل کر کے لوگوں پر ثابت کیا کہ اس معاشرے کا ایک فرد کی حیثیت سے اگر میں ان پر عمل کر سکتا ہوں تو تمہارے لیے بھی انہیں اپنانا مشکل نہیں ہے۔ تو اس معاشرے کے لوگوں نے بھی آہستہ آہستہ ان کو اپنایا اور پھر زمانہ اور اس کی تاریخ گواہ ہے کہ برائی کا نام و نشان مٹ گیا۔ ظلم و استحصال کی چکی میں پسنے والے لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔ غربت و افلاس کے مارے لوگوں نے زندگی کا نیا چلن سیکھا۔ شراب خوری، زناکاری، چوری، ڈکیتی، راہزنی، قتل و غارت گری اور معاشرہ کی تمام برائیاں ایک ایک کر کے ختم ہوتی گئیں۔ تا آنکہ اخوت و بھائی چارے کا وہ مثالی معاشرہ تشکیل پایا، جو انسانیت کا نکتۂ عروج تھا، جسے فرشتوں نے رشک کی نگاہوں سے دیکھا۔

محترم حضرات! ابوبکر و عمر و عثمان و علی، طلحہ و زبیر اور معاویہ رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے لوگ اگر انسانی عظمتوں کے مینارۂ نور تھے تو اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کو صرف مذہبی کتاب سمجھ کر اُسے نہیں پڑھا بلکہ انہوں نے اس حقیقت کو پایا کہ یہ کتاب زندگی کے ہر شعبے میں ایک رہنما کتاب بن کر نازل ہوئی ہے تو انہوں نے اس کے تقاضوں کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالا اور داعی انقلاب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اس کو عمل کے لیے نازل ہونے والی کتاب سمجھ کر اس کے مطالبوں پر اپنی خواہشات، اپنے جذبات، اپنے تعلقات اور اپنے معاملات کی قربانی دی تو وہ انسانیت کے لیے سنگ میل بن گئے۔

محترم سامعین! ہمارا دعویٰ ہے کہ قرآن قیامت تک کے لیے رہنما کتاب ہے اور اگر آج بھی اس کی انقلابی اصلاحات پر عمل کیا جائے اور اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے تو ہمارے دور کی برائیوں کا ختم ہونا بہت آسان ہے لیکن المیہ یہ ہے کہ ہم نے اس کتاب کو عمل کی کتاب ہی نہیں سمجھا۔ آئیے! اگر اپنی دنیا و آخرت سنوارنے اور اپنے معاشرے سے ظلم و استحصال ختم کرنے کی تمنا ہے تو اس قرآن کی دعوت پر لبیک کہہ کر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند بنا دیجئے۔ پھر دیکھئے کس طرح ہم کامیابیوں کی منزل سے ہمکنار ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق بخشیں۔

آمین یا الٰہ العالمین

ماہِ شوال کی دو اہم جنگیں

مرتّب
ادارہ

جنگِ اُحد اور جنگِ حُنین

خدا کے خصوصی فضل و کرم کا مہینہ رمضان المبارک رخصت ہوا اور شوال المکرم کا مہینہ شروع ہوا۔ اگر رمضان کے روزوں کا ثواب بے حد و حساب ہے، تو شوال کے چھ روزوں کا ثواب چالیس شہدائے بدر کے اجر و ثواب کے مساوی ہے۔ اگر ۱۷ رمضان المبارک کو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وفات حسرت آیات ہوئی تو شوال کے مہینہ میں ہی آپ کی منگنی اور رخصتی ہوئی تھی۔ بلکہ امہات المومنین میں سب سے آخر میں اس دنیا فانی کو الوداع کہنے والی زوجۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہؓ ۸۴ برس کی عمر میں اسی شوال کے مہینہ میں فوت ہوئیں۔ اگر ۱۷ رمضان ۲ھ کو حق و باطل کا پہلا تاریخی معرکہ بدر کے مقام پر رونما ہوا تھا تو ۷ شوال ۳ھ کو احد پہاڑ کے دامن اور وادی حنین میں بھی اسلام اور کفر آپس میں ٹکرائے تھے۔ مختصر طور پر ان دو عظیم جنگوں کا حال ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

جنگِ اُحد

محل وقوع:۔ "احد" مدینہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔ یہ پہاڑ مدینہ منورہ سے جانب جنوب تقریباً دو میل پر واقع ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ۷ شوال ۳ھ بروز ہفتہ مطابق جنوری ۶۲۵ء میں مسلمانوں اور مشرکوں کے مقابلہ میں معرکۂ حق و باطل گرم ہوا۔ اس لئے اس جنگ کا نام غزوۂ اُحد ہے۔ اس جگہ کے قریب حضرت ہارون علیہ السلام کی قبر مبارکہ بھی ہے۔ (زرقانی شرح مواہب صفحہ ۲۵)

اسبابِ جنگ

معرکۂ بدر میں جو زخم قریش کو لگ چکا تھا اس نے ناسور کی شکل اختیار کر لی تھی کیونکہ بدر کے واقعۂ ہائلہ سے قریش کا ہر گھر ماتم گسار اور عرب کے مشرک قبائل نوحہ کناں تھے۔ عکرمہ بن ابوجہل اور بہت سے سردارانِ قریش نے ابوسفیان سے جا کر کہا کہ اگر تم تکالیف جنگ اور مصارفِ جنگ کے متحمل ہو جاؤ، تو بدر کا انتقام ہم ابھی لے سکتے ہیں۔ اس بات کو ابوسفیان نے قبول کر لیا اور قسم کھا لی کہ جب تک بدر کا انتقام نہ لے لوں گا نہ غسل کروں گا، نہ لباس تبدیل کروں گا، نہ سر میں تیل ڈالوں گا، نہ بیوی سے قرابت رکھوں گا۔

عکرمہ بن ابوجہل اور قریش کے دیگر نوجوانوں کی تقریروں نے انتقام کے جذبات اور بھڑکا دیئے انتقام کے ان شعلوں کو تیز کرنے کے لیے نوجوان عورتوں کے اشتعال اور مقتولینِ بدر کی بیواؤں کی نوحہ خوانی نے تیل کا کام دیا۔ ابوسفیان تین ہزار سورماؤں کا لشکر جرّار لے کر مسلمانوں کو مٹانے کے لیے مکہ سے نکلا۔ ان کے پاس سات سو زرہیں، دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ

تھے۔ میمنہ کے افسر خالد بن ولید اور میسرہ کے عکرمہ بن ابوجہل تھے۔ (قصص القرآن ص۲۴۴ ج ۴)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ گو اسلام لا چکے تھے لیکن ابھی تک مکّہ ہی میں مقیم تھے۔ انہوں نے تمام حالات لکھ کر ایک تیز رفتار قاصد کے ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہ وسلم کے پاس بھیجے۔ اور قاصد کو تاکید کی کہ تین دن رات میں مدینہ پہنچ جائے۔

آپؐ نے اطلاع ملتے ہی پانچ شوال کو دو خبر رساں جن کے نام انسؓ و مونسؓ تھے، خبر لانے کے لیے بھیجے۔ انہوں نے آکر اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب آگیا ہے اور مدینہ کی چراگاہ "عریض" کو ان کے گھوڑوں نے صاف کر دیا۔ (سیرت النبیؐ ص۳۴۲ ج ۱)

صحابہؓ سے مشورہ اور پیغمبرؐ کا عزم

صبح کو آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ مہاجرین نے عموماً اور انصار میں سے اکابر نے رائے دی کہ عورتیں باہر قلعوں میں بھیج دی جائیں اور شہر میں پناہ گیر ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ عبداللہ بن ابی سلول جو رئیس المنافقین تھا کبھی شریک مشورہ نہیں کیا گیا تھا اس نے بھی یہی رائے دی لیکن ان نوجوان صحابہؓ نے جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے بات پر اصرار کیا کہ شہر سے نکل کر حملہ کیا جائے۔ آنحضرتؐ گھر تشریف لے گئے اور ہتھیار پہن کر نکلے۔ سب لوگوں کو ندامت ہوئی کہ حضورؐ کو ان کی مرضی کے خلاف نکلنے پر مجبور کیا گیا۔ سب نے عرض کی کہ "یا رسول اللہ! ہم نے آپؐ کو مجبور کیا اگر آپؐ پسند فرمائیں تو شہر میں ہی بیٹھ کر مقابلہ کیا جائے۔" آپؐ نے فرمایا "نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ ہتھیار پہن کر میدانِ جنگ میں پہنچے بغیر اتار دے۔"

منافقین کی سازش

قریش بدھ کے دن مدینہ کے قریب پہنچے اور کوہ اُحد پر پڑاؤ ڈالا۔ حضورؐ نماز جمعہ پڑھ کر ایک ہزار افراد کے ساتھ شہر سے نکلے۔ ان میں عبداللہ بن ابی کی سرکردگی میں تین سو منافقین بھی ہمرکاب تھے یہ مدینہ میں مشرکین مکّہ کے ساتھ سازش کر چکے تھے کہ مسلمانوں کو بزدل بنانے کے لیے اوّل مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ نکلیں گے اور بعد میں راستہ ہی سے کٹ جائیں گے اور مدینہ واپس آ جائیں گے۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی یہ کہہ کر تین سو کی جمعیت لے کر واپس مدینہ چلا گیا کہ ہم جیسے تجربہ کاروں کی رائے پر نوجوانوں کی رائے کو ترجیح کیوں دی گئی۔

ایمان و منافقت کے مختلف اثرات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اب صرف سات سو مخلص صحابہ کرامؓ تھے۔ ان میں ایک سو زرہ پوش تھے۔ مدینہ سے نکل کر فوج کا جائزہ لیا گیا تو جو لوگ کمسن تھے واپس کر دئیے گئے۔ ان میں حضرت زید بن ثابت، ابو سعید خدریؓ براء بن عازب، عبداللہ بن عمرؓ اور عرابہ اوسی رضوان اللہ علیہم اجمعین خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ نفاق کی بزدلی اور ایمان کی قوّت کا اس ایک واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عبداللہ بن ابی تو اپنے ساتھیوں سمیت واپس ہو جاتا ہے لیکن ایماندار بچوں کا یہ حال اور جاں نثاری کا شوق تھا کہ جب ایک نوعمر جوان رافع بن خدیج سے کہا گیا کہ تم چھوٹے ہو واپس جاؤ تو وہ ایڑیاں اٹھا کر انگوٹھوں کے

بل تن کر کھڑے ہو گئے کہ قد
اونچا نظر آئے۔ چنانچہ ان کی
تدبیر کارگر ہوئی۔ ایک دوسرے
نوجوان جن کا نام سمرہ تھا۔
انہوں نے یہ دلیل پیش کی کہ
مَیں اپنے ہم عمر رافع کو لڑائی
میں پچھاڑ سکتا ہوں۔ اس لیے
اگر ان کو اجازت ملتی ہے تو
مجھے بھی ملنی چاہیئے۔ دونوں کا
مقابلہ کرایا گیا تو سمرہ نے رافع
کو زمین پر دے مارا اس بناء
پر ان کو بھی اجازت مل گئی۔

قریش اور مسلمانوں کی صف آرائی

قریش نے اس ترتیب سے
صف آرائی کی کہ میمنہ پر خالد
بن ولید اور میسرہ پر عکرمہ بن
ابوجہل کو مقرر کیا۔ سواروں کے
دستہ کی کمان قریش کے مشہور
رئیس صفوان بن امیہ کے ہاتھ
میں تھی۔ تیراندازی کے دستوں کا
سالار عبداللہ بن ابی ربیعہ تھا۔
طلحہ قریش کا علمبردار تھا۔

مسلمانوں کی ترتیب صفوف
اس طرح تھی کہ آنحضرتؐ نے
مصعب بن عمیرؓ کو علم عطا فرمایا
زبیر بن العوام رسالے کے افسر
مقرر ہوئے۔ حضرت حمزہؓ کو
اس حصہ فوج کی کمان ملی جو
زرہ پوش نہ تھے۔ پشت کی طرف
سے بھی دشمن کے حملہ کا خطرہ تھا
اس لیے پچاس تیراندازوں کا
دستہ عبداللہ ابن جبیرؓ کی سرکردگی
میں وہاں متعین فرمایا اور حکم دیا
کہ فتح لڑائی میں ہو تو پھر بھی
تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔"

میدانِ جنگ کا نقشہ

قریش کا علمبردار طلحہ
صف سے نکل کر پکارا "مسلمانو!
تم میں سے کون ہے جو جلد مجھ
کو دوزخ میں پہنچا دے یا میرے
ہاتھوں بہشت میں پہنچ جائے"۔
حضرت علی المرتضیٰؓ نے صف سے
نکل کر کہا "مَیں ہوں" یہ کہہ کر
اس زور سے تلوار ماری کہ طلحہ
کی لاش زمین پر تھی۔ طلحہ کے
بعد اس کے بھائی عثمانؓ نے
علم ہاتھ میں لئے۔ اس کے پیچھے
پیچھے عورتیں اشعار پڑھتی تھیں
وہ خود بھی رجز پڑھتا ہوا آگے
بڑھا کہ:۔

"علمبردار کا فرض ہے کہ وہ
نیزہ کو خون میں رنگ دے
یا وہ ٹکرا کر ٹوٹ جائے"۔

حضرت حمزہؓ مقابلہ کو
نکلے اور شانہ پر اتنی شدّت سے
تلوار ماری کہ تلوار کمر تک اتر
گئی۔ ساتھ ہی حضرت حمزہؓ کی
زبان سے یہ الفاظ نکلے "مَیں
ساقیٔ حجاج عبدالمطلب کا بیٹا
ہوں"۔

اسلام اور احترام عورت

اب تمام جنگ شروع
ہوئی۔ تلواریں بجلی کی طرح چلیں،
بہادر بادل کی طرح گرجے، تیر
کمانوں سے بارش کی طرح برسنے
لگے۔ گھوڑوں نے ہنہنانا شروع کر
دیا اور نیزوں اور تلواروں کی
جھنکار سے احد پہاڑ گونجنے لگا۔
ایک طرف لات و ہبل کی جے
پکاری جا رہی تھی تو دوسری طرف
اللہ اکبر کا غلغلہ بلند تھا۔ میدانِ
کارزار خوب گرم ہوا۔ مسلمانوں
نے کفار کی صفیں کی صفیں صاف
کر دیں۔ حضورؐ نے دستِ مبارک
میں تلوار لے کر فرمایا کہ "کون
اس کا حق ادا کرتا ہے"۔ اس
سعادت کے لئے بہت سے ہاتھ
آگے بڑھے۔ لیکن یہ فخر حضرت
ابو دجانہؓ جو عرب کے مشہور پہلوان
تھے ان کے نصیب میں تھا۔ وہ
سر پر سرخ رومال باندھے اکڑتے
ہوئے فوج سے نکلے۔ آنحضرتؐ نے
ارشاد فرمایا "یہ چال خدا کو سخت
ناپسند ہے۔ لیکن اس وقت (میدان
جنگ میں دشمن کو مرعوب کرنے کے
لیے) پسند ہے"۔

ابو دجانہؓ فوجوں کو
چیرتے ہوئے، کفار کی لاشیں گراتے
ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ یہاں
تک کہ ابوسفیان کی بیوی سامنے

آ گئی۔ ابو دجانہؓ نے تلوار اس کے سر پر رکھ کر اٹھا لی کہ رحمۃ للعالمینؐ کی تلوار کے یہ شایانِ شان نہیں کہ عورت کے خون سے رنگین ہو۔ یہ اس پاک تعلیم کا اثر تھا جو ہر مجاہد کو شریکِ جہاد ہونے سے پہلے دی جاتی تھی۔

لا تقتلوا امرأۃ ولا صغیرًا ولا شیخًا فانیًا۔ عورت بچے اور بوڑھے کو مت قتل کرو۔

مسلمانوں نے اس قدر بہادری کے جوہر دکھائے کہ کفار میں بھگدڑ مچ گئی۔ اور مجاہدین کے حملوں سے کفار کی فوجوں کے پاؤں اکھڑ گئے مسلمانوں نے مالِ غنیمت اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ اور مشرکین جانیں بچا بچا کر بھاگنے لگے — ان پچاس تیراندازوں نے جو پشت پر احد پہاڑ کی مقرر کئے گئے تھے۔ وہ بھی غنیمت کی طرف جھکے۔ ان کے سردار عبداللہ بن جبیرؓ نے بہت روکا لیکن وہ نہ رکے تیراندازوں کی جگہ خالی دیکھ کر خالد بن ولید نے عقب سے حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن جبیرؓ چند جانبازوں کے ساتھ خوب جم کر لڑے لیکن سب شہید ہو گئے رستہ صاف ہو گیا۔ خالد بن ولید کے دستہ نے مسلمانوں پر اس شدت سے حملہ کیا کہ مسلمان جو مالِ غنیمت اکٹھا کر رہے تھے ان کی صفیں آپس میں ٹکرا گئیں۔ مصعب بن عمیرؓ جو علمبردار اور حضورؐ کے مشابہ تھے ان کو ابن قمیئہ نے شہید کر دیا اور یہ مشہور ہو گیا کہ حضورؐ شہید ہو گئے۔ اس آواز سے مسلمانوں میں بدحواسی پھیل گئی۔ دوست دشمن کی تمیز نہ رہی حضرت عمرؓ جیسے بہادر انسان نے تلوار پھینک دی۔ کہ حضورؐ کی شہادت کے بعد اب لڑ کر کیا کریں۔ ابن نضرؓ جو حضرت انسؓ کے چچا تھے انہوں نے کہا کہ حضورؐ کے بعد ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ یہ کہہ کر کفّار کی فوج میں گھس گئے اور شہید ہو گئے اسی سے زیادہ زخم ان کے جسم پر تیر، تلوار اور نیزوں کے آئے تھے۔ بہن نے انگلی دیکھ کر پہچانا تھا۔

رحمتِ عالمؐ کو ابن قمیئہ نے چہرہ مبارک پر تلوار ماری۔ جس سے مغفر کی دو کڑیاں ٹوٹ کر چہرہ مبارک میں دھنس گئیں۔ کعب بن مالکؓ نے سب سے پہلے آپؐ کو پہچانا اور مسلمانوں کو آواز دی کہ "مسلمانو! حضورؐ یہاں ہیں"۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں کے قدم جم گئے اور کفّار پر ٹوٹ پڑے۔ سعد ابن ابی وقاصؓ، حضرت ابو دجانہؓ، حضرت طلحہؓ اور ابو طلحہؓ آپؐ کا چاروں طرف سے دفاع کر رہے تھے۔ آپؐ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو اپنا ترکش دیا اور فرمایا: "تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں، تیر مارتے جاؤ"۔

یہاں تک کہ جب جنگ ختم ہوئی تو ستر مسلمان جامِ شہادت نوش کر چکے تھے۔ اسی جنگ میں حضرت حمزہؓ کو سید الشہداء اور حضرت حنظلہؓ کو غسیل الملائکہ کا خطاب ملا تھا۔ شہداء میں انصار کی اکثریت تھی مہاجرین میں سے صرف چار آدمی شہید ہوئے تھے۔ مشرکین کے ۲۲ افراد قتل ہوئے تھے۔

جنگ کے نتائج

۱۔ جنگِ احد مخلص و منافق کی معرفت و پہچان کے لیے بے نظیر کسوٹی تھی۔ چنانچہ اس میں یہ حقیقت نمایاں نظر آئی۔

۲۔ امیر و خلیفہ اور اس کے نائبین کا فرض ہے، کہ مسلمانوں سے ہر معاملہ میں مشورہ لے جیسا کہ حضورؐ نے جنگ سے قبل صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا تھا۔

۳۔ مسلمان جب باہمی اختلاف کریں گے تو ان کی قوت کا شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔ اور دشمن ان پر فتح پائے گا۔ اگر متحد ہوں گے تو دنیا

(باقی ۱۷ پر)

تقریباتِ پندرھویں صدی ہجری ——— مولانا عبید اللہ انور

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام

باب الاسلام سندھ کے ایک معروف سندھی رسالے کے ایڈیٹر کی خواہش پر یہ مضمون لکھا گیا، جس کا سندھی ترجمہ وہاں شائع ہوگا،،
افادۂ عام کے لئے قارئین خدام الدین کی نذر ہے ——— (ادارہ)

ایک مشہور ایرانی مصنف حکیم برزویہ نے اپنی کتاب ،،کلیلہ و دمنہ،، میں حضور نبی کرم رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم کی بعثت کے وقت ایرانی سوسائٹی کا جو نقشہ کھینچا ہے اس کی ایک تصویر ملاحظہ فرمائیں

،، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے صداقت سے ہاتھ اٹھالیا ہے، جو چیز مفید ہے وہ موجود نہیں اور جو موجود ہے وہ مضر ہے، جو چیز اچھی ہے وہ مرجھائی ہوئی ہے، اور جو بری ہے وہ سرسبز ہے دروغ کو فروغ ہے اور نیکی بے رونق ہے، علم پستی کے درجہ میں ہے اور بے عقلی کا درجہ بلند ہے، بدی کا بول بالا ہے اور شرافت نفسی پامال ہے، محبت متروک ہے، نفرت مقبول ہے، فیض و کرم کا دروازہ نیکوں پر بند ہے، اور شریروں پر کھلا ہے، حکام کا فرض صرف عیاشی کرنا اور قانون کو توڑنا ہے، مظلوم اپنی ذلت پر قانع ہے اور ظالم کو اپنے ظلم پر فخر ہے، حرص اپنا منہ کھولے ہوئے ہے اور دور و نزدیک ہر چیز کو نگل رہا ہے تسلط لائقوں سے نالائقوں کی طرف منتقل ہو گیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا مسرت کے نشے میں یہ کہہ رہی ہے کہ میں نے نیکی کو مقفل اور بدی کو رہا کر دیا ہے،،

(بحوالہ مولانا سندھی، حالات زندگی تعلیمات اور سیاسی افکار، ص ۱۹۲-۱۹۱)

ایک ایرانی مصنف نے ،، شہد شاہد من اہلہا،، کے مصداق اپنے گھر کے حالات کا جو نقشہ کھینچا ہے اور اس دور کی سوسائٹی کے پوست کندہ حالات بلا کم و کاست بیان کئے ہیں وہ واضح اور دوٹوک لفظوں میں کسی انقلاب کو دعوت دے رہے تھے۔ کیونکہ آسمانی صحائف کی متفقہ شہادت یہی ہے کہ اس قسم کے حالات پیدا ہو جائیں تو تبدیلی ناگزیر ہو جاتی ہے،

گیارہویں صدی کے مجدد اور برصغیر کی نامور شخصیت حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ اسی ضمن میں اپنی معرکۃ الآراء کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں ——— (محض اردو ترجمہ پیش خدمت ہے)

،، جب یہ مصیبت بہت بڑھ گئی (یعنی مادیت اور دنیا پرستی کی مصیبت) اور مرض نے شدت اختیار کر لی، تو اللہ تعالیٰ اور اس کے مقرب فرشتے ناراض ہو گئے اس وقت اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت ہوئی کہ اس مرض کا مادہ ہی کاٹ کر پھینک دیا جائے، کیونکہ مرض لاعلاج حد تک بڑھ گیا تھا، چنانچہ اس غرض کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم کو مبعوث فرمایا جو محض امی تھے (جیسا کہ قرآن مجید میں سورۃ جمعہ آیت ۲ میں ارشاد ہے) ناقل ۔ اور جنہوں نے کبھی ایرانی اور رومی سوسائٹی (روس اور امریکہ کی طرح اس دور کی دو عظیم اور سپر طاقتیں) میں میل جول نہ رکھا تھا اور نہ ان کی رسم و رواج

اور طرزِ معاشرت اختیار کی تھی، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو رسوم صالح اور غیر صالح کے درمیان تمیز کرنے کا معیار قرار دیا اور ان کی زبان فیض ترجمان سے عجمیوں کی رسموں کی مذمت کرائی اور دنیاوی زندگی میں انہماک اور اس پر اطمینان کر کے بیٹھ جانے کی خرابی ظاہر کی، ان کے دل میں اللہ نے ڈالا کہ جن اخلاق فاسدہ اور رسوم مروّجہ کے عجمی عادی ہیں اور جن پر وہ فخر ومباہات کرتے ہیں وہ حرام ہیں مثلاً ریشمی لباس، ارغوانی کپڑے، سنہری اور روپہلی برتن، سنہری زیور، ایسے کپڑے جن پر تصویریں بنی ہوئی ہوں، مکانوں پر نقش ونگار، اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا کہ اس نبی کی حکومت کے ذریعے سے ان قیصر وکسریٰ (رومی وایرانی سوسائٹی کے سربراہ) کی حکومت کو برباد کرے، اور اسکی لیڈرشپ کے ذریعے ان کی لیڈرشپ کو ختم کردے — چنانچہ اس کے وجود سے کسریٰ ہلاک ہوگیا، پھر کوئی کسریٰ نہ ہوگا، اور قیصر کی قیصریت ختم ہوگئی اور پھر کوئی اس کا جانشین نہ ہوسکے گا"

(جلد نمبر ۱، صفحہ ۱۰۶)

حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس اقتباس سے مقصد بڑا واضح ہے کہ اللہ کا نبی دنیا سے ہر قسم کی بے انصافی اور عدم توازن دور کرنے آیا تھا اور معاشرے کے وہ افراد وطبقات جو حد سے بڑھی ہوئی پر تعیش زندگی میں مست ہوکر خدا نا آشنا ہوچکے تھے اور ان کے اعمال وافعال ملت کے دوسرے طبقات کے لئے سم قاتل ثابت ہورہے تھے ان کا قلع قمع کردیا جائے اور اللہ کی زمین انصاف سے بھر جائے۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ "هلك قيصر فلا قيصر بعده وهلك كسرىٰ فلا كسرىٰ بعده"

یہ ایک پیشین گوئی تھی جو زبانِ نبوت سے نکلی اور اسکی صداقت کو بہت جلد دنیا نے دیکھ لیا،

اس موقعہ پر قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عیش ونشاط میں غرق معاشرے اور سوسائٹی کے زوال کی رسول اللہ نے کیوں پیشینگوئی کی اور دنیا بھر کے اہل صلاح وتقویٰ اور حکیم ودانا لوگ اس قسم کی سوسائٹی کو انسان اور انسانیت کے لئے کیوں سم قاتل سمجھتے ہیں؟

اس کا جواب سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۱۶ سے بخوبی معلوم ہوسکیگا — اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:-

وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيْرًا"

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے دولت مندوں کو حکم دیتے ہیں پھر وہ وہاں نافرمانی کرتے ہیں تب ان پر حجت تمام ہوجاتی ہے اور ہم اسے برباد کر دیتے ہیں (حضرت لاہوری)

پنجاب میں حکمت ولی اللّٰہی کے مخلص اور بے لوث شارح حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مختصر حواشی میں اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں،،

،، یہ بھی یاد رہے کہ بستیاں ہمیشہ آسودہ حال لوگوں کی شامتِ اعمال سے تباہ ہوا کرتی ہیں، (صفحہ ۵۱۴)

کبھی قرآنی قصص وواقعات پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالیں تو سب سے پہلے نبی مرسل حضرت نوح علیہ السلام سے لیکر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم تک آسمانی تعلیمات اور نبوی دعوت کی مخالفت میں وہی طبقہ آپ کو پیش پیش نظر آئیگا جو قرآن کی زبان میں مترف (دولت مند طبقہ) کہلاتا ہے، اس طبقہ نے اپنی دولت وثروت پر غرور وناز کرتے ہوئے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے رفقاء اور اہل ایمان کا ذکر تحقیر آمیز انداز میں کیا — حضرت نوح علیہ السلام کے دور کے اہل ثروت اور ارباب تمول نے آپ کی دعوت کے جواب میں کہا:-

"ہمیں تو تم ہم جیسے ہی ایک آدمی نظر آتے ہو، اور ہمیں تو تمہارے پیرو وہی نظر آتے ہیں جو ہم میں سے رذیل ہیں"

(ہود آیت نمبر ۲۷)

حضرت صالح علیہ السلام کے حالات کے ضمن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:-

" اس قوم کے متکبر سرداروں نے غریبوں سے کہا جو ایمان لاچکے تھے کیا تمہیں یقین ہے کہ صالح کو اس کے رب نے بھیجا ہے۔ انہوں نے کہا جو وہ لیکر آیا ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں، متکبروں نے کہا کہ جس

تمہیں یقین ہے ہم اسے نہیں مانتے"

(الاعراف آیت ۷۵، ۷۶)

فرعون سے متعلق قرآن کہتا ہے کہ اس نے اپنی قوم سے کہا:

"کیا میں اس سے بہتر نہیں ہوں جو ذلیل ہے اور صاف بات بھی نہیں کر سکتا"

(زخرف ۵۲)

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کفار و فساق آپ سے اسی انداز میں گفتگو کرتے اور آپ سے یہ مطالبہ کرتے کہ یہ غرباء اور اس طرح کے جو لوگ آپ کے ارد گرد رہتے ہیں انہیں ہٹا دیں تو ہم کم از کم آپ کی بات سن لیں گے (ماننا نہ ماننا بعد کی بات ہے) اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا

"اور جو لوگ صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں انہیں اپنے سے دور نہ کر جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں تیرے ذمہ ان کا کوئی حساب نہیں ہے اور نہ تیرا کوئی حساب ان کے ذمہ، اگر تو نے انہیں دور ہٹا دیا پس تو بے انصافوں میں سے ہوگا" الانعام ۵۲

یہ تفصیلات جو گذریں ان سے اللہ کے نبیوں کے دنیا میں آنے کے اسباب پر واضح روشنی پڑتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص طبقہ ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی مخالفت و تکذیب میں پیش پیش رہا، اس سے ذرا آگے بڑھیں تو انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات پر حقیقی اور صحیح معنوں میں عمل پیرا وہی لوگ ہوتے ہیں جنہیں عرف عام میں "غرباء" کہا جاتا ہے، اسلام

کی صدر اول کی تاریخ اس معاملہ میں بڑی واضح ہے اور آجتک یہی کچھ دیکھا جا رہا ہے، اس لئے حضور علیہ السلام نے "غرباء" کو مستحق تبریک قرار دیا ہے اور فرمایا فطوبیٰ للغرباء" اور آپ نے مسکینی کے عالم میں جینے، مسکینی کے عالم میں دنیا سے رخصت ہونے اور مساکین کے طبقہ میں محشور ہونے کی دعا فرمائی:

اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین"

اس کے بعد ایک اور بات بڑی ضروری ہے جسکو حکیم الامت امام ولی اللہ دہلویؒ نے ذکر فرمایا:

"ایرانیوں اور رومیوں کو مختلف اقوام پر حکومت کرتے صدیاں گذر گئیں اور انہوں نے دنیوی زندگی کو ہی اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا اور آخرت کو فراموش کر بیٹھے اور شیطنت ان پر غالب آگئی تو ان کی زندگی کا حاصل یہ بن گیا کہ عیش میں دن گذاریں چنانچہ ان میں سے ہر شخص داد عیش دینے لگ گیا اور اس پر اترانے لگا، ان کا یہ طرز زندگی دیکھ کر دنیا کے ہر گوشے سے علماء اور ساٹنسدان ان کے گرد جمع ہونے لگے جو ان کے لئے سامان عیش مہیا کرنے کے لئے عجیب عجیب دقیقہ سنجیاں اور نکتہ آفرینیاں

کرنے لگے اور ان ایجادات کو باعث فخر سمجھنے لگے .... اس کے بعد شاہ صاحب ان سرمایہ پرست امراء کے لباس فاخرہ، عالیشان محلات، نمائش جانور وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی بتایا ہے کہ ان کے حالات کا اندازہ لگانے کے لئے تم اپنے دور کے حکمرانوں اور امراء کو دیکھ لو ...... اس کے بعد رقم طراز ہیں"

ان ملوک و امراء کی زندگی کے طور و طریقے رفتہ رفتہ عوام کے نظام معاشرت کے اصل اصول بن گئے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ سوسائٹی میں ان خرابیوں کا استیصال ناممکن ہو گیا اور اسکی یہی ایک صورت باقی رہ گئی کہ ممکن ہو تو یہ بدعادات ان لوگوں کے دلوں سے کھرچ کھرچ کر نکال دی جائیں، بادشاہوں اور امراء کی اس عیاشانہ زندگی سے بہت سے خطرناک معاشی و معاشرتی امراض پیدا ہو گئے جو حیات معاشرتی کے ہر ایک شعبے میں داخل ہو گئے اور یہ حالت ایسی ہمہ گیر ہو گئی کہ وبا کی طرح ساری مملکت میں سرایت کر گئی، اس سے نہ شہری بچا نہ دیہاتی، نہ امیر محفوظ رہا نہ غریب، یہاں تک کہ ہر شخص ان خرابیوں کو دیکھتا تھا لیکن علاج سے مایوس تھا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوام و خواص شدید مالی مصائب میں مبتلا ہو کر رہ گئے"

حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ صفحہ ۱۰۵

آپ نے دیکھا کہ شاہ صاحب کس طرح امراض
مزمنہ کی تشخیص کرتے ہیں، جب امراء عیش
پرستی کا شکار ہوتے ہیں تو غرباء ''الناس
علیٰ دین ملوکھم'' کے مصداق ان کے
قدم بقدم چلنے کی کوشش کرتے ہیں اور
چونکہ ان کے اندر اسکی سکت نہیں ہوتی اور
ان کے معاشی حالات اس کی اجازت نہیں
دیتے اس لئے وہ معاشرہ میں ڈھور ڈنگر
بن کر رہ جاتے ہیں اوپر کا طبقہ انہیں بیل
گدھے کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے اور معاشرہ
واضح طور پر طبقاتی کشمکش کا شکار ہو جاتا
ہے، اس طبقاتی کشمکش میں امراء لوگ
کی زندگی کے اپنے انداز ہوتے ہیں انہیں
ہر حال میں اپنے معیار کو برقرار رکھنا ہوتا
ہے، اس لئے وہ لوگوں پر ہر طرح کے ٹیکس لگاتے
ہیں اور پہلے سے عائد ٹیکسوں کی شرح میں اضافہ
کر دیتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نچلا طبقہ
ٹیکسز کی ادائیگی کے لئے اپنی عزت و آبرو
داؤ پر لگا دیتا ہے کہ بغیر ٹیکسز کی ادائیگی کے
ان کا جینا محال ہوتا ہے اور اگر کچھ لوگ ٹیکسز
کی گراں باری سے بلبلا کر مقابلہ پر اتر آئیں اور
یہ سوچ لیں کہ جب باعزت زندگی نصیب
نہیں تو بہادروں جیسی موت ہی سہی، تو اس
کا نتیجہ جنگ و قتال اور بغاوت کی شکل میں
سامنے آتا ہے اور سوسائٹی کا سارا نظام
درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے

معاشرے کا ایک اور المیہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ لوگ
حکمرانوں کے حاشیہ نشین بن کر وظائف و
جاگیر حاصل کرنے اور ہر حال میں بادشاہ اور
ارباب اقتدار کی خوشنودی چاہتے ہیں ان
میں نام نہاد مذہبی پیشوا (جنہیں مولوی اور
پیر شامل ہیں) اور شعراء وغیرہ بھی شامل
ہوتے ہیں، حکیم دہلویؒ ان دونوں امراض
کا خوبصورتی سے تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے
ہیں:-

''اس زمانہ میں اکثر بلاد کی بربادی کا
سبب دو چیزیں ہیں، ایک تو سرکاری
خزانہ سے بناوٹی حقوق کا نام لیکر
لوگ روپیہ وصول کرتے ہیں جس
نام سے وہ روپیہ لیتے ہیں اس کے
حق کو وہ کسی طرح پورا نہیں کرتے
دوسری چیز یہ ہے کہ کمانے والی
جماعتوں یعنی کاشتکار، تاجر
پیشہ وروں پر زیادہ سے زیادہ
ٹیکس لگائے جاتے ہیں، ان میں
سے نرم مزاج (دوسرے لفظوں
میں غیرت و حمیت سے عاری لوگ)
تو ٹیکس ادا کر دیتے ہیں، لیکن جن میں
مقابلہ کی ہمت ہوتی ہے وہ بغاوت
اختیار کرتے ہیں اور ساری سوسائٹی
درہم برہم ہو کر رہ جاتی ہے''

(مولانا سندھی ص ۱۹۰)

اسرائیلی سوسائٹی میں فرعونی طبقہ کا تسلط
و استیلاء، اور بنی اسرائیل کی بے بسی قرآن
مجید نے کئی ایک جگہ بیان کی ہے حتیٰ کہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی
میں درخواست کی کہ:-

''اے رب ہمارے تو نے فرعون
اور اس کے سرداروں کو دنیا کی
زندگی میں آرائش اور ہر طرح کا مال
دیا ہے، اے رب ہمارے یہاں
تک کہ انہوں نے تیرے راستہ سے
گمراہ کر دیا، اے رب ہمارے تو
ان کے مالوں کو برباد کر دے اور ان
کے دلوں کو سخت کر دے، پس یہ
ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ
دردناک عذاب دیکھیں''

یونس ــ ۸۸، (حضرت لاہوریؒ)

اور حضور علیہ السلام کے دور کا قبائلی اور سرداری
نظام بھی اسی نوعیت کا ہے جس میں لاتعداد
لوگ بھیڑ بکریوں کی طرح زندگی گذار رہے
تھے اور وہ غلام باندی شمار ہوتے ان کے
نام نہاد آقا جس طرح چاہتے ان کی تذلیل کرتے
ــــــ یہ تو حجاز کی حالت تھی اور حجاز سے باہر
اس دور کی سپر طاقتیں روم و ایران تھیں
جنکا حال پہلے گذر چکا

اس ماحول و معاشرت میں اللہ کے آخری
نبیؐ تشریف لائے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ
ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ
ولو کرہ المشرکون،

(الصف ۹)

وہی تو ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچا
دین دیکر بھیجا تاکہ اسکو سب دینوں پر غالب
کرے اگرچہ مشرک ناپسند کریں

(حضرت لاہوریؒ)

مولانا سندھی ارشاد فرماتے ہیں کہ:-
شاہ صاحبؒ (شاہ ولی اللہؒ) کے نزدیک رسول
اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا مقصد
یہی تھا کہ ان کے ذریعے خدا کے دین کو باقی
سب دینوں پر غالب کر دیا جائے اور
اسلام انسانوں کو ایک ایسا نظام حیات
دے جو سب نظاموں سے بہتر اور اعلیٰ ہو

آپ کی بعثت کا یہ مقصد اس صورت میں
پورا ہوا کہ قیصر و کسریٰ کا نظام جو ایک
حد تک ساری دنیا پر حاوی تھا پاش
پاش ہو گیا اور انسانیت کو قیصریت اور
کسرویت دونوں سے نجات ملی"

(مولانا سندھی صہ ۱۰۹-۱۱۰)

گویا غلامانہ ذہنیت سے مرعوب بعض لوگوں
کے بقول، اللہ کے سچے نبی کی وساطت سے
آنے والا دین محض عبادات کے مجموعے کا
نام نہیں بلکہ یہ کل دنیا کے ادیان پر غالب آنے
کے لئے آیا ہے اور اس نے اپنی ابتدائی زندگی
میں اپنی عظمت و برتری کا جو ثبوت پیش کیا ہے
اسے کوئی بدترین دشمن بھی نہیں جھٹلا سکتا
اور یہ سلسلہ خیر ایک ہزار برس تک کسی نہ کسی
شکل میں دنیا میں قائم و موجود رہا، اور نہ صرف
اپنے بلکہ بیگانے بھی اس کی برکات سے
مستفید ہوتے رہے، لیکن جوں ہی مسلمانوں
کی اخلاقی حالت زوال پذیر ہوئی اور وہ مجاہدانہ
اور انقلابی زندگی کو خیر باد کہہ کر عیش و نشاط
میں پڑ گئے تو ان کا وقار اور عزت خاک میں مل گئی
اقتدار سے محروم ہو گئے، سودی نظام کی
جکڑ بندیوں نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا
تہذیب و تمدن غیروں کا، سوچ اور فکر غیروں
کی ___ نتیجہ یہ ہے کہ آج وہ پھر جاہلیت
اولیٰ کا شکار ہیں"

حکیم دہلوی نے ان کی جن خرابیوں کا ذکر کیا ہے
اور ملوک و سلاطین دہلی اور اس دور کے امراء
کے جن حالات کو بیان کیا ہے وہ آج پوری اور
کامل و مکمل شکل میں اس نام نہاد مسلم سوسائٹی
میں دیکھے جا سکتے ہیں، مسلمانوں کے زوال
پذیر حالات نے اسلام کے روئے روشن
کو داغدار کر دیا ہے (العیاذ باللہ) اور
دشمنانِ دین و پیغمبر اسلام کو ہنسی کا
موقعہ مل گیا ہے لیکن اللہ کے جو بندے
اندھیروں میں چراغ جلا کر ملت کی حدی
خوانی کے لئے وقتاً فوقتاً دنیا میں آتے
رہتے ہیں وہ کسی لمحہ مایوس نہیں ہوتے"

مولانا سندھی کے متعلق ان کے سوانح
نگار لکھتے ہیں کہ پچیس سالہ جلاوطنی کے بعد
جب مولانا وطن واپس آنے لگے تو ایک
ہندوستانی بزرگ عالم ___ جو حجاز میں
مقیم تھے اور مولانا کے دوست اور شاگرد
تھے وہ چاہتے تھے کہ مولانا عمر عزیز کا باقی
حصہ اسی حرم میں گذاریں جس کی عطر بیز فضاؤں
میں انہوں نے بارہ برس گذارے ہیں
مولانا کے خیالات میں تلاطم تھا، حرم کی
محبت اور اس کی عظمت کا سکہ دل پر مستولی
تھا، لیکن ایک بات تھی جو انہیں مضطرب
کئے ہوئے تھی اور وہ واپس آنا چاہتے
تھے ___ مولانا نے فرمایا:

"میرا یہ غیر متزلزل یقین اور عقیدہ ہے
کہ اسلام کا مستقبل بڑا روشن اور
شاندار ہے، بے شک اسلام پوری
قوت اور توانائی کے ساتھ ایک بار
پھر اٹھے گا، لیکن خارج میں اس کا
وہ ڈھانچہ نہیں ہو گا جو اس وقت
ہے مجھے جس طرح اس بات پر یقین
ہے کہ اسلام پھر ایک بار ابھرے گا
اسی طرح میرا یہ بھی ایمان ہے کہ
ہمارا موجودہ ڈھانچہ اب چند دنوں
کی چیز ہے، اسلام کو اپنا ایک
نیا ڈھانچہ بنانا ہے اور مسلمان اسے
جس قدر جلد بنا لیں بہتر ہو گا"

یہ کہہ کر ارشاد فرمایا:

"یہ وہ عقیدے ہیں جو مجھے کشاں کشاں
ہندوستان لئے جا رہے ہیں، تقسیم
ملک سے پہلے کا قصہ ہے، میں اب
چراغ سحری ہوں خدا معلوم زندگی
کے کتنے دن اور ہوں گے، چاہتا ہوں
کہ مرنے سے پہلے اپنی قوم کے کانوں
تک یہ حقیقت پہنچا دوں"

(مولانا سندھی صہ ۹۸-۹۹)

گویا اسلام اور چیز ہے اور موجودہ دور کے
مسلمانوں کا طرز حیات بالکل دوسری چیز ہے
اسلام تو وہ ہے کہ جس کی علمی شکل قرآن
عزیز ہے تو عملی شکل سرکار دو عالم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی ذاتِ گرامی"
کہ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ
صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی یہی خیال فرماتے
تھے کہ ایک قرآن ___ جو جبرئیل امین
کی وساطت سے قلب محمد علیہ السلام پر نازل
ہوا جو بین الدفتین موجود ہے، اور دوسرا
قرآن وہ ہے جو مدینہ کی گلیوں میں چلتا پھرتا
تھا" ___ گویا دو قرآن کا عقیدہ اس
تعبیر کے ساتھ اسلاف سے منقول ہے
اور اسی حقیقت کی ام المومنین سیدہ
کائنات صدیقہ طاہرہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا
ورضوانہ نے دو جملوں میں ترجمانی فرمائی کہ

"کان خلقہ القرآن"

کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت
اور حیات طیبہ تو قرآن ہی تھا"

قرآن اور سنت رسول سے اسلام کا جو
ڈھانچہ سامنے آتا ہے وہ بالکل ایک الگ

چیز ہے جسمیں عبادات، معاملات، اخلاق
تہذیب، معاشرت، اور تمدن و اقتصاد
کی مکمل رہنمائی موجود ہے اور یہ محض دعویٰ
نہیں بلکہ مسلمانوں کی ہزار سالہ زندگی اس
بات کا ثبوت ہے اور اس وقت جو ڈھانچہ
مردم شماری کے مسلمانوں نے بنایا ہوا ہے
وہ یہ ہے کہ ایک محدود تعداد عبادات
کا رسمی اہتمام کر کے یہ خیال کر لیتی ہے
کہ ہم نے اسلام کے تقاضے پورے کر دیئے
جبکہ اس کا طرز زندگی اسکا نظام معاش
و اقتصاد، اسکا نظام سیاست و عدالت
اور اسکا نظام تجارت و زراعت وغیرہ خالص
جاہلی بنیادوں پر استوار ہے"

حضور رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ
و اصحابہ وسلم نے جس نظام حیات کا ڈھانچہ
ملت مسلمہ کے لیے تجویز فرمایا تھا اس کی عملی
شکست و ریخت خود ہمارے ہاتھوں ہوئی
اور جسکی سزا ہمیں اس شکل میں مل رہی ہے
کہ ہم قومی وقار سے محروم ہو گئے ہیں،

آج کا جدید ذہن ایک صالح سیاسی نظام
کیلئے انقلاب فرانس، اور ایک صالح معاشی
نظام کیلئے کارل مارکس کے سرمایہ اور لینن
و سٹالن کے عمل کو اپنے لئے ضروری قرار دیتا
ہے، اور اس کے باوجود اسے اپنے مسلمان
ہونے کا دعویٰ ہے، حالانکہ ایک مفکر کے
بقول سیرت نبوی اور دور حاضر کی تحریکات
یعنی سوشلزم، کیمونزم، کیپٹلزم وغیرہ میں
بڑے واضح تضادات ہیں، دور حاضر کی
ان تحریکوں کا صرف یہی المیہ نہیں کہ یہ خدا
فراموش ہیں، بلکہ یہ خود فراموش بھی ہیں،
یہ انسان اور انسانیت کو نہیں سمجھ سکیں

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیغمبر
انسانیت تھے، آپ نے انسانی محنت
کو اصل سرمایہ اور متاع قرار دیا، اور
محنت کی بنیاد پر لوگوں کو ذلیل سمجھنے والوں
کو سخت انداز میں تنبیہ کی، محنتی طبقات
کی عند اللہ قدر و منزلت کو اجاگر کیا اور
خود عملی طور پر محنت کے کاموں میں شریک
ہو کر دنیا کو ایک سبق پڑھایا

پندرھویں صدی ھجری

کے سلسلہ میں دنیائے اسلام [illegible] میں
تقریبات کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے اس
سلسلہ میں سیمینار، مجالس مذاکرہ، اخبارات
و رسائل کے خصوصی ایڈیشن اور صدی
ہجری منازل کی شکل میں عمارات کی تعمیر
وغیرہ شامل ہے، لیکن ہمارے خیال
میں یہ سب کچھ ایسے حال میں ہو رہا ہے
کہ مسلمان قوم قومی وقار اور اجتماعی خود
داری سے محروم ہے، اس پس منظر میں
اس نوع کی تقریبات بالائی طبقات
اور اس سے متعلق افراد کی ذہنی عیاشی
کا ذریعہ تو بن جاتی ہے لیکن ملت و قوم کے
پلے کچھ نہیں پڑتا،

آج حالت یہ ہے کہ کئی ایک مسلم ممالک
ایسے ہیں جن کی دولت و ثروت کا کوئی حساب
نہیں، قدرت نے انسانیت کی دستگیری
اور حیات اجتماعی کے بہتر مستقبل کی خاطر
انہیں زر خالص اور سیال سونا عطا فرمایا
لیکن یہ دولت و ثروت یا تو ان میں سے
ایک محدود آبادی کے عیش و تنعم کی نذر
ہو رہی ہے، یا ان اقوام و ممالک کے معاشی
استحکام کے کام آرہی ہے جو خدا بیزاری
اور اسلام دشمنی میں اپنی مثال آپ ہیں
کچھ مسلم ممالک ایسے ہیں جن پر غربت و افلاس
کے تاریک سائے مسلط ہیں، اور ان کے
عوام کاد الفقر ان یکون کفرا
کی نبوی حقیقت کے مطابق مختلف النوع
باطل تحریکات کے علمبرداروں کا تر نوالہ بنے
ہوئے ہیں ـــــ عالم حقائق میں بالخصوص
افریقی ممالک میں عیسائیت و قادیانیت
کی سرگرمیاں پیش کی جا سکتی ہیں ـ کہا جا سکتا
ہے کہ امیر ترین مسلم ممالک نے بعض ایسے
ادارے قائم کر رکھے ہیں جو اسلام اور
مسلمانوں کی خاطر سرگرم عمل ہیں اور کوشاں
ہیں، لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ ان کی کارکردگی
بالکل صفر ہے کہ وہ ٹھوس منصوبہ بندی
جو مرد مومن کی نظر کی غماز ہوتی ہے وہ بالکل
نہیں ہے، بلکہ بعض مثالیں تو ایسی پیش کی
جا سکتی ہیں کہ مفسد و منافق قسم کے لوگ
اسی قسم کے اداروں کے دستر خوان پر
پل کر ملت کے رہے سہے اجتماعی وقار
کو خاک میں ملانے کا باعث و ذریعہ بنے ہوئے
ہیں"۔

پندرھویں صدی ھجری

کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی حیات ثانیہ کی صدی
ہے، ہمیں کوئی اعتراض نہیں بلکہ ہم دعا گو ہیں
کہ اللہ کرے ایسا ہی ہو، لیکن مولانا سندھی
کے الفاظ میں ہمیں اپنا ڈھانچہ بدلنے کی ضرورت
ہے ورنہ فطرت کی تعزیریں بے عمل و بدکردار
قوموں کو زیادہ دیر تک دنیا میں زندہ رہنے
کا موقعہ نہیں دیتیں، سرکار دو عالم نے قیصر
و کسریٰ کی ہلاکت کی اس لئے پیشین گوئی فرمائی
تھی کہ وہ انسانیت کے نام پر ایک مذاق

اور فریب تھا اور جو نظام انسانیت کے نام
پر ایک فریب مصداق بن جائے وہ اپنا ڈھانچہ
جلدی ہی توڑ بیٹھتا ہے،،
آج کے مسلمانوں نے بالخصوص ان کے بالائی
طبقوں نے (جہیں حکمران، امراء، شعراء،
ادباء، اور صوفیاء وعلماء، (الاماشاء اللہ)
شامل ہیں، تلک الایام نداولھا بین
الناس ۔ کے مصداق کسی نہ کسی درجہ
میں قیصریت، کیسرویت اپنا رکھی ہے، وہ
خود اس فاسد نظام سے گلو خلاصی حاصل
کرلیں تو فہو المراد ورنہ تو اسلام نے بہرحال
ابھرنا ہے —— کوئی زبردست ہاتھ
خود اسکا انتظام کریگا۔
پندرھویں صدی ہجری کے موقعہ پر سیرت
رسول کی روشنی میں یہی ہمارا پیغام
ہے اور بس!

بقیہ : جنگِ اُحد

کی کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہ
کر سکے گی۔ جیسا کہ جنگ اُحد
میں پہلے متحد تھے لیکن جب
پچاس تیراندازوں نے آپس میں
اختلاف کیا تو ان کی فتح شکست
میں تبدیل ہو گئی۔
۴۔ یہ ضروری نہیں کہ جب کبھی
حق و باطل میں مقابلہ ہو تو حق
ضرور جیت جائے۔ اور ابتدائے
کار میں بھی اس کو کبھی شکست
نہ ہو۔ اگر ایسا ہو تو مسلمانوں
کے ابتلاء و آزمائش کی کوئی سبیل
باقی نہ رہے۔
۵۔ جن صحابہ کرامؓ نے پچاس
تیراندازوں میں سے اجتہادی خطا
کی وجہ سے پہاڑ پر مسلمانوں کے
دفاع کو چھوڑ کر مال غنیمت اکٹھا
کرنا شروع کر دیا تھا، اللہ
نے ان کو بھی تنبیہ کے بعد عفا اللہ
عنہم فرما کر واضح طور پر معاف
کر دیا تاکہ بدباطن اور اعداء
صحابہؓ کو تنقید اور زبانِ طعن
دراز کرنے کا موقعہ نہ ہاتھ
آ جائے۔

اظہار افسوس

فاتح قادیان حضرت مولانا محمد حیات صاحب
انتقال کر گئے! انا للہ وانا الیہ راجعون
تفصیلات آئندہ

واہ کینٹ میں درس قرآن وحدیث کی

حضرت لاہوری نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب دامت برکاتہم
نے ۱۹۶۴ء سے واہ کینٹ میں درس قرآن حکیم کا جو سلسلہ خیر شروع فرما رکھا ہے وہ اب بحمدہ تعالیٰ
سورۂ قمر پارہ ۲۷ تک پہنچ چکا ہے اور ہر ماہ ایک حدیث مقدسہ پر بھی باقاعدہ درس ہوتا ہے
اس درس کی سولھویں سالگرہ کے لیے درس کے سرپرست حضرت اقدس مولانا عبید اللہ انور صاحب
دامت برکاتہم نے چھ ستمبر بروز ہفتہ کو اس بابرکت محفل میں تشریف لانا منظور فرما لیا ہے۔ علاوہ ازیں
حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا غلام قادر صاحب ملتان سے تشریف لائیں گے
پروگرام انشاء اللہ صبح ۹ بجے شروع ہو جائیگا۔

پتہ درسگاہ: بی ۲۵۸ منزل انوار القرآن لالہ رُخ بستی کاریگر واہ کینٹ۔

المعلن: احقر محمد عثمان غنی ناظم درس، ورکس منیجر پی او ایف بورڈ
بنگلہ نمبر ڈی - ۷، ویسٹ پارک واہ کینٹ

داخلہ

مدرسہ جامعہ فضلیہ
عالی مسجد ملتان روڈ
لاہور میں درس نظامی
کا داخلہ ۲۵ شوال ۱۴۰۰ھ
تک کھلا رہے گا۔
طلبہ کی رہائش اور خورد
ونوش کا معقول انتظام
ہے۔ قابل اور محنتی اساتذہ
کرام کی خدمات حاصل
ہیں۔ نیز درجہ حفظ کا داخلہ
محدود ہے۔
انتظامیہ کمیٹی جامعہ فضلیہ

اسلامی جمہوریت

از مولانا جمیل احمد تھانوی

آجکل چاروں طرف جمہوریت جمہوریت کا شور ہے اور یورپ سے متاثر ہوئے والے حضرات کے لیے صرف یہی ایک صحیح طریقہ ہے دوسرے طرز کی حکومت ان کے نزدیک ناقابلِ قبول ہے اس لیے عرض ہے کہ جمہوریت کی دو صورتیں ہیں ایک یورپی جمہوریت ہے اور ایک اسلامی جمہوریت، دونوں میں بڑا فرق ہے۔ یورپی جمہوریت خلاف واقعہ، خلافِ عقل، خلاف کاروبار محض دھوکہ اور لوگوں کو بے وقوف بنانے کا ذریعہ ہے مگر آج کل ایک دنیا اس کا شکار ہو رہی ہے اس کے برخلاف اسلامی جمہوریت امر واقعی پیدائش سے لے کر وفات تک ہر شخص کا معمول ہے بالکل عقل صحیح کے موافق اور واقعی حقیقی جمہوریت ہے۔ کاش سب لوگ اس پر غور و خوض کریں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ یورپی جمہوریت کا سارے عالم میں وجود ہی نہیں چند سیاسی پہلوانوں کا اکھاڑا ہوتا ہے جو جیت گیا اس کی تنہا کی حکومت ہے کہنے کو اس کی پارٹی کی حکومت ہی کہلائے گی مگر پارٹی اس کی ہاں میں ہاں ملانے والی ہی ہوتی ہے کام کرنے والا وہ تنہا ہی ہوتا ہے۔ برطانیہ میں سب کو معلوم ہے کہ چرچل اور ایٹلی کی دو پارٹیاں تھیں اکھاڑہ بازی میں جس کی پارٹی غالب ہو گئی۔ ان دونوں میں سے ایک کی حکومت ہو گئی اور نام جمہوریت رہا۔ بس لوگوں کو بے وقوف بنا لیا کہ ان کی حکومت ہے۔ ہاں جائز۔ ناجائز آئندہ کی رشوت یا گذشتہ کی اجرت ہیں۔ انکی مرادیں کبھی کچھ پوری کر دیں تو وہ اپنی حکومت سمجھنے لگے ورنہ جیسے کہ ایک پارٹی کی پھر پارٹی ہی کے ایک آدمی کی حکومت اپنی حکومت کہلاتی۔ تمام ملک پر ایک فرد کی حکومت ہی تو اپنے ہی آدمی کی، اور اپنی ہی حکومت ہوتی ہے مگر پراپیگنڈہ کی وجہ سے اسے کچھ اور سمجھنے لگتے ہیں۔ اور خلاف واقعہ کو جمہوریت کہتے ہیں۔ اور یہ جمہوریت، خلاف عقل بھی ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ اکثریت جاہلوں کی، غنڈوں کی، بیوقوف یا کم عقلوں کی ہوتی ہے اکثریت کی یہ رائے جہالت غنڈہ گردی بیوقوفی یا کم عقلی کی رائے ہو گی اس پر مدار رکھنا بے عقلی کی بات ہو گی یا کچھ اور۔ اور تمام لوگوں کے روزمرہ کے کاروبار وغیرہ کے بھی خلاف اہم اہم بات میں بھی کوئی بے قوف بیوقوف ہی جاہلوں، غنڈوں، بے عقلوں یا کم عقلوں کی رائے پر عمل نہیں کر سکتا نہ ان سے رائے لے سکتا ہے نہ ان کی رائے پر عمل کو عقل کا کام سمجھ سکتا ہے۔

ہاں اسلامی جمہوریت میں ان میں سے ایک خرابی بھی نہیں ہے۔ وہ ہر کام کے ماہر واقف کاروں کی جماعت سے مشورہ لینا ہے اور اس کام کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر غور کرنا اور صرف خدا پر بھروسہ کر کے ایک بات کو اختیار کر لینا ہے یہ جمہوریت خود امر واقعہ ہے کہ تمام اہم کام اسی سے ہوتے ہیں اور تمام عمر ہر شخص کے عمل میں ہے۔ ارشاد ہے: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۔ (ان سے مشورہ کر لو۔ پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کیجیے۔)

دیکھیے اگر آپ نے مقدمہ کرنا ہو اور اس کے لیے وکیل مقرر کرنا ہو تو آپ ناواقف مزدوروں، جمعداروں وغیرہ سے کسی طرح رائے نہ لیں گے مقدمات کرنے والے ماہرین سے رائے لیں گے۔ جس وکیل [illegible] کے لیے مفید قرار دیں گے اور آپ سے [illegible] کو لگ جائیگا۔ آپ اس کو وکیل بنائیں گے اور یہ کام کر گذریں گے تعلیم دلانے ہیں اگر مزدور ہے کہ کس سکول مدرسہ میں ہو تو راہ چلتوں، کم عقلوں، جاہلوں سے کبھی مشورہ نہ [illegible] گے۔ واقف کاروں سے رائے لے کر غور کریں گے اور جس پر دل جم جائے گا عمل کریں گے شادی رشتہ کی ہر بات کے لیے ایسے مشیروں کی تلاش ہو گی جو یہ کام انجام دیتے رہتے ہیں اور خیر خواہ ہیں۔ ہر کس و ناکس سے نہیں پوچھا جا سکتا۔ سب رائیں لے کر اللہ کے بھروسہ پر اور ایک طریقہ پر عمل کر

دیں گے۔ غرض زندگی کے ہر معاملہ میں یہی ہوتا ہے کبھی ایہ وغیرہ سے رائے نہیں لی جائے گی۔ صرف واقف کار خیر خواہوں ہی سے رائے لے کر ان میں سے ایک کو ترجیح دے کر عمل ہوگا۔

عدالتوں میں معمولی ثالثی سے ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ تک کیا ہوتا ہے یہی تو ہوتا ہے کہ مدعی، مدعا علیہ کے بیانات سن کر قانونی مشیر کاروں یعنی وکیلوں، بیرسٹروں سے مقدمات کی ہر ہر بات یا ہر ہر نکتہ کو دونوں طرف سے معلوم کر لیا جاتا ہے اور ہر حاکم سب پر غور کرتا اور اللہ کے بھروسہ پر جس پر دل جم جاتا ہے فیصلہ کر دیتا ہے ساری دنیا میں یہی ہو رہا ہے اور ہمیشہ سے ہو رہا ہے۔

آخر یہ ہر شخصی وجماعتی کام ہمیشہ سے ہر شخص کے یہاں اور ہر ملک وجماعت کے یہاں ایسی ہی طرح ہوتا ہے اور اب تک ہو رہا ہے جسے وہ اور نام دیتے ہوں گے ہم اسلامی جمہوریت کا نام دیتے ہیں، یہ طریقہ ہر شخص بچہ بڑا، مسلم غیر مسلم اپنے تمام اہم کاموں میں اختیار کئے ہوئے تو ہے مگر ایک جگہ آکر سب کی عقلوں پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ اہل عقل اس پر غور نہیں کرتے اور خدائی میں جمہوریت ماننے والوں کی اندھی تقلید میں اہل توحید اپنی چال بھول گئے۔

آپ ٹھنڈے دل سے سنیں تو میں صاف عرض کر دوں کہ پاکستان میں یورپی جمہوریت انتہائی خطرناک اسلام دشمنی کی چیز ہے کیونکہ آئندہ بھی یہی خطرے رہیں گے جو اب تک پیش آچکے ہیں کہ اس غنڈہ جمہوریت نے جس بات میں اسلام کے خلاف پر اکثریت حاصل کر لی تو سب کو اس معاملہ میں اسلام کو رخصت کرنا ہوگا۔ اس کھلی اسلام دشمنی کی تائید پھر نظریہ پاکستان ونظریہ اسلام کا دعوے نہایت حیرت کی بات ہے۔

بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ قرآن مجید میں جو فرمایا۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (تم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اللہ کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور اپنے میں کے امر والوں کی۔) امر والے متعدد فرمائے ہیں تو معلوم ہوا حاکم ایک نہیں متعدد کا مجموعہ ہوگا، لیکن اول تو آیت میں امر کا لفظ ہے امارت کا لفظ نہیں۔ جس کے معنی حکومت کے بن سکتے تھے اور صرف امر نہیں الامر ہے الف لام عہد کا یا عوض مضاف الیہ ہے معنے یہ ہوئے اولی الامر یعنی ان دونوں اللہ رسول کے حکم والوں کی فرمانبرداری کرو۔ اللہ رسول کے حکم والے دو قسم کے حضرات ہیں ایک وہ ہیں جو احکام کو صاف لفظوں سے ان کے عام مفہومات سے ان کی صاحب تاثیر علتوں سے۔ ان احکام کا پورا دائرۂ عمل جاننے والے ہیں جو آئمہ مجتہدین ہیں، جنہوں نے آیات واحادیث کے مقدم ومؤخر، ظاہر وباطن عموم وخصوص اور علتوں سے مسائل اخذ کرکے اب مجموعہ مدون فقہ نام سے کرکے رکھ دیا، ہے، اور دوسرے وہ صاحبان ہیں جو اللہ ورسول کے صریح وصاف حکموں کو اور مجتہدین کے اخذ کئے ہوئے حکموں کو بھی نافذ کرتے ہیں وہ اصحاب حکومت ہیں مگر وہی جو خدا ورسول کے دونوں طرح کے صریح اور ماخوذ حکموں کو نافذ کرتے ہیں، وہ حاکم نہیں جو اپنی رایوں یا کافروں کی رایوں سے حکم بنا کر نافذ کرتے ہیں

دوسری بات یہ ہے کہ ایسے حاکم ہر جگہ ہر زمانہ میں الگ الگ بہت سے ہونگے گو شرعی حاکم ایک ایک ہر جگہ ہو گا، تو یہ متعدد حاکم متعدد زمانوں متعدد مکانوں کے ہیں ان سے رواجی جمہوریت پر دلیل لینا دھوکہ میں پڑنا یا ڈالنا ہوگا،

بعض لوگ یہ کہدیتے ہیں کہ اسلام میں کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں ہے جو چاہے اختیار کرلیں، تو اس معنی سے یہ صحیح قرار دیا جا سکتا ہے کہ فرض کوئی طریقہ نہیں کہ جسکے خلاف کرنے پر حرام کا ارتکاب اور انکار سے کفر لازم آتا ہو، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفاء کے یہاں لامحالہ کسی نہ کسی طریقہ سے یہ کام انجام پایا ہے اور حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین (تم واجب سمجھو میرے طریقہ کو اور خلفاء راشدین کے طریقہ کو) ان کے طریقہ کو ترک کرنا اور کافروں کے طریقہ پر عمل کرنا آخر کیسے درست ہو سکتا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل قرآن میں بیان ہے ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ، (میں اسکی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے)

حضور کا طریقہ طریقہ وحی ہو گا، اور وحی میں ہے وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل

علی اللہ، (اور تم ان سے مشورہ کیا کرو
پھر جب پختہ ارادہ کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو)
یہ طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے
پیروکاروں کے لئے خدائی طریقہ ہے،

خدائی طریقہ چھوڑکر غیر خدائی طریقہ اختیار
کرنا کیسے جائز اور صحیح قرار دیا جا سکتا ہے
اور خدا پرستوں کو کیسے راس آسکتا ہے

بعض لوگوں کو خیال ہوتا ہوگا کہ
آخر دو تین صدی سے مسلمانوں نے یہ
یورپی طریقہ جمہوریت کیوں اختیار کر رکھا
ہے، کیا یہ سب ناجائز کرتے آرہے ہیں،

تو جواب یہ ہے کہ ممکن ہے حکومت کی
مجبوریوں سے یا ان پر ان ہی کے ہتھیار سے
حملہ کرنے کے لئے اسکو گوارا کرلیا ہو، یا
یہ کہ اسکی خرابی کی طرف التفات نہ ہو،

چنانچہ آج بھی بعض لوگ اس رواجی
پرانے ڈھچر کی حمایت پر زور صرف کررہے
ہیں''

ایک شبہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ..
وشاورھم فی الامر (ان سے مشورہ
کرو) فرمایا ہے حضورؐ کو صحابہ سے مشورہ
کرنے کو فرمایا ہے، کسی ایک یا مخصوص
جماعت سے مشورہ کو نہیں فرمایا گیا اس
سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام صحابہ اور
اب تمام مسلمانوں سے خصوصًا ملک کے
تمام مسلمانوں سے مشورہ کیا جائے تو اس
سے موجودہ انتخابات کی صورت معلوم
ہوئی''

تو جواب یہ ہے کہ یہ تو فرضی معنی پہنانے
کی بات ہوئی ورنہ تو سب سے مشورہ ہونا
تو ممکن ہی نہیں، کوئی کہیں، کوئی کہیں کوئی
شیرخوار کوئی بڑا، کوئی بچہ کوئی جوان کوئی
مرد کوئی عورت، اسلئے انتخاب کی بیشک
ضرورت ہے، مگر انتخاب اور طریق انتخاب
معلوم کرنا ہے تو اسی لفظ ''شاورھم''
میں اشارے موجود ہیں، ''مشاورہ'' باب
مفاعلة سے ہے جس کا خاصہ یہ ہے کہ فعل
کی ابتداء کرنے والا تو فاعل ظاہری ہوتا ہے
اور معنی میں ہر ایک فاعل اور ہر ایک مفعول
ہوتا ہے، یعنی آپ ان سے مشورہ کریں
اور وہ آپ سے مشورہ کریں، اور مشورہ
کئے جانیکی صلاحیتیں بھی دونوں میں موجود
ہوں، کیونکہ دونوں معنی میں فاعل و مفعول
ہیں اور ظاہر بات ہے کہ مشورہ کرنے اور
کئے جانیکی صلاحیت خاص خاص میں ہی ہوتی
ہے، جن جن میں صلاحیت ہوگی انکے لئے یہ
حکم ہے، لہٰذا اس سے صاحب صلاحیت حضرات
ہی مراد ہو سکتے ہیں، جن میں دونوں مشیر
و مستشیر ہونیکی صلاحیتیں ہوں، جاہل لوگ
نہ عورتیں نہ بچے نہ غلام نہ بے عقل کوئی اس
میں داخل نہیں بلکہ معمولی انسان بھی داخل
نہیں اس لئے کہ ھم ضمیر مذکورہ حضرات
کی طرف ہے اور انکی خصوصیات اوپر کی آیات
میں آچکی ہیں ان سے جن جن میں یہ دونوں
صلاحیتیں ہوں گی مشورہ ہوگا،

پھر یہ دونوں صلاحیتیں مشورہ دینے
لینے کی اسی کام کی صلاحیتیں ہونی ضروری
ہیں جس میں مشورہ لیا دیا جارہا ہے یہ عقلًا
بالکل بدیہی بات ہے کہ علاج میں مشورہ حمید
سے یا مالشی سے نہیں لیا جاتا، مکان بنانے
میں دوا کوٹنے والے سے نہیں، مقدمہ کے
لئے زمیندار، نمبردار سے نہیں، اس لئے ایسے
ہی لوگوں سے مشورہ ہو سکتا ہے جن میں اس
کام کے لئے دوہری صلاحیتیں موجود ہوں
فعل کا فاعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار
دیا گیا ہے تو باب مفاعلت کے قاعدہ سے
ابتداء حضورؐ کی طرف ہوگی تو حضورؐ دونوں
صلاحیتوں کے جامع کا خود انتخاب فرمائیں
گے اور حضور کے بعد جو حضور کا قائم مقام
یعنی خلیفہ ہوگا وہ انتخاب کریگا، جیسے کہ
تمام کاموں میں ادنیٰ سے اعلیٰ افسروں
تک کا انتخاب حاکم اعلیٰ ہی کرتا ہے اور سارے
عالم میں یہ ہوتا ہے اور اب بھی ہورہا ہے

سوال ہو سکتا ہے کہ یہ تو حکومت اور
قائم مقام مقرر ہونے کے بعد ہوگا، خود
قائم مقام مقرر کرنے کے لئے بھی تو اسی
اہل حل وعقد باصداد الکوهنه مجلس شوریٰ کی
ضرورت ہے تو اس کا انتخاب پھر اکثریت
کا محتاج ہوگا،

جواب یہ ہے کہ یہ صرف ایک عقلی احتمال
اس طریقہ کی حمایت کا تجویز کیا جارہا ہے
ورنہ جب روزمرہ کے کاموں میں قریب
قریب ہر شخص ہر جماعت ہر برادری ہر قوم
مشورہ کیلئے لوگوں کو جمع کرتی ہے تو جو
اسکا طریقہ ہے وہی عام اور فطری طریقہ یہاں
ہونا ضروری ہے وہ یہی تو ہے کہ ایسے
کام کے واقف کار جو جو معلوم اور مشہور ہوں
ان کو دعوت دیجاتی ہے دعوت خواہ
کوئی ایک دیدے یا کوئی جماعت تمام اہم کاموں
تقریبات، جلسوں، مقدمات، کاروبار
سب میں سب کا یہی معمول ہے، آخر
اس معمول میں آج کیا اشکال ہونے لگا ہے
ایک ہی اجتماع میں یہ بات نتیجہ خیز ہو سکتی

ہے خواہ اتفاق سے طے کرلیں یا اکثریت سے، جبکہ سب علم وخرد اور تجربہ میں برابر کے ہوں یا قریب قریب ہوں، یا قرعہ سے،،

ہمارے ملک کے مناسب یورپی نظام جمہوریت ہرگز نہیں علاوہ اس کے خلافِ فطرت، خلاف معمول ہونیکے یہ بھی شدید خطرہ رہتا ہے کہ اکثریت ایسی بات پر متفق ہوگی جو اسلام میں قطعاً کفر یا حرام یا شدید جرم ہو تو اگر اسکو رائج کرینگے تو آخرت برباد اور جہنم رسید ہونگے نہ جاری کرائینگے تو ممبران سخت ہنگامہ برپا کرینگے، ابھی حال ہی میں اس کا خاصہ اور سنگین تجربہ ہوچکا ہے کہ اسمبلی کے غیر مذہبی لوگوں نے اکثریت کے ساتھ خلاف مذہب قانون بنا ڈالے اور ان پر عمل کرکے ملک وقوم بربادی اور آخرت کے عذابات کا لقمہ بن رہے ہیں،

مثلاً عائلی قانون کی دفعات طلاق اور رجوع وغیرہ کے مسئلے اسلام کے بالکل خلاف ہیں، اور جہاں شرعاً نکاح باقی رہتا ہے توڑ اگیا جہاں ٹوٹ گیا ہے وہاں قائم رکھدیا، اس سے تمام ملک تمام عمر کے حرام میں مبتلا ہو رہا ہے میراث کا جو چودہ سو سالہ اسلام کے خلاف قانون پیش ہوکر پاس ہوکر جاری ہوگیا ہے اور اس کی وجہ سے ایک کا حق دوسرا کھائے جا رہا ہے یہ حرام خوری بھی تمام ملک میں جاری ہے جو حق العبد ہے بغیر بندہ کے معاف کئے یا وصول کئے اس سے برأت نہ ہوگی، ایسے قوانین نے جو آخر یورپی جمہوریت کی بدولت حاصل ہوئے ہیں پورے ملک کو حرام خوری اور حرام کاری میں مبتلا کردیا ہے اس پر اہل علم نے سب کچھ کہا اور لکھا، مگر یورپی غلط جمہوریت والے اس پر کان نہیں لگا سکے، اور برابر حرام کے قوانین جاری ہیں، بلکہ اسمبلی سے جو اکثریت سے پاس ہوکر قانون بنے ہیں ان میں بہت سے آخرت اور دنیا بھی تباہ کرنے والے ہیں،

یورپ کی غلامی رگ رگ میں اس قدر پیوست ہوگئی ہے کہ اب اسکے خلاف کرنا تو درکنار سننا ہی مشکل ہوگیا ہے اور تمام ملک اس غلط قانون کی زد میں آیا ہوا ہے اصلاح کے آسان سے آسان طریقے بھی ممکن ہیں اگر کوئی نافذ کرنے والا ہمت کرگذرے اللہ تعالیٰ ہماری آنکھیں کھولدیں،،

پروگرام

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب دامت برکاتہم

(۱) روانگی برائے جامعہ مدنیہ اٹک شہر بذریعہ خیبر میل جمعہ ۵ ستمبر رات

(۲) آمد جامعہ مدنیہ اٹک شہر بدعوت حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب ہفتہ ۶ ستمبر صبح

(۳) مختصر درس قرآن اور دعا کے بعد روانگی برائے واہ کینٹ

(۴) سالانہ درس میں شمولیت اور دعا کے بعد حاضرین سے ملاقات

(۵) قیام بر رہائش گاہ حاجی عثمان غنی صاحب بنگلہ نمبر ڈی۔۲، ویسٹ پارک

(۶) روانگی برائے راولپنڈی

(۷) بعد نماز عشاء مجلس ذکر جامع مسجد پھولوں والی محلہ کرشن پورہ راولپنڈی

(۸) رات کو روانگی برائے لاہور بذریعہ خیبر میل

(حاجی بشیر احمد انور)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے

ایک اہم انٹرویو

مولانا المحترم کا یہ انٹرویو "تعمیر حیات" لکھنؤ سے ماخوذ ہے اس کے بعض مندرجات خاص طور پر فکر انگیز اور لائق مطالعہ ہیں، جبکہ بعض مندرجات سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں

مولانا! مجھے اس کا پورا احساس ہے کہ آپ کا وقت اور آپ کے تصنیفی مشاغل کتنے قیمتی اور مفید ہیں، اور آج کل آپ ان میں کس درجہ منہمک ہیں، لیکن اس کے باوجود آپ کا تھوڑا سا وقت انٹرویو کے لئے لینے کی جرأت کر رہا ہوں، بہت سی گرہیں ایسی ہوتی ہیں جو صرف انٹرویو میں کھل سکتی ہیں اور اس کے ذریعہ بہت سی ضروری باتیں جن کی شاید بروں ہی نوبت نہ آتی کاغذ کی سطح پر آجاتی ہیں آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے فروری ۱۹۷۰ء میں آپ سے ایک اہم انٹرویو ندائے ملت کیلئے لیا تھا، جس میں ملی مسائل اور میدانی جدوجہد میں آپ کی دلچسپی کی تاریخ، اور اس کے محرکات مسلم مجلس مشاورت کے قیام کا پس منظر اور جن مراحل سے وہ گذری اس کی مختصر معلومات افزا روداد آگئی تھی اور وہ انٹرویو بڑی توجہ اور دلچسپی سے پڑھا گیا تھا اور اس سے خود آپ کی زندگی، مزاج و مذاق، اور جذبات پر بڑی روشنی پڑتی تھی، اس طرح کے انٹرویو کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے تھا مگر میں اس کے بعد سفر چلا گیا جہاں چار سال زائد میرا قیام رہا، اس عرصہ میں جہاں تک مجھے علم ہے آپ کا ایک ہی اہم انٹرویو شائع ہوا جو "پیام انسانیت" کی تحریک سے متعلق تھا اور مولانا اسحاق جلیس ندوی مرحوم کا مرتب کیا ہوا تھا، جو علیحدہ رسالہ کی شکل میں شائع ہو گیا ہے اور جس نے اس تحریک کی وضاحت اور غلط فہمیوں کے رفع کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے، اور وہ پیام انسانیت کے لٹریچر میں ایک اہم اور بنیادی اضافہ ہے،

آپ اجازت دیں تو میں وہ سوالات پیش کر دوں جو میں نے از راہ احتیاط نوٹ کر لئے ہیں، ان میں بعض سوالات سیاسی نوعیت کے ہیں، بعض دینی و علمی نوعیت کے اور بعض ذاتی، لیکن ہیں سب ضروری، اور معاف فرمائیں کہ آپ کی ذات بھی تو ایسی ہی رنگا رنگ اور مختلف الجہات ہے، مجھے اس موقع پر قاضی محمد عدیل صاحب عباسی مرحوم کا فقرہ یاد آیا جو شاید کسی تبصرہ میں ان کے قلم سے نکلا تھا کہ "مجھے اس پر تعجب آتا ہے کہ ایک ہی قلم سے "ارکان اربعہ" اور "نقوش اقبال" کیسے نکلی"

ج: بسم اللہ! جس انٹرویو کی تمہید اتنی طویل اور "عالمانہ" ہے، خدا خیر کرے اس کے سوالات کیسے ہوں گے،

س ۱: معاف فرمائیے گا، پہلی بات یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ پارلیمنٹ کے گذشتہ الیکشن میں اگرچہ آپ نے کسی پارٹی کی غیر مشروط تائید و حمایت نہیں کی تھی، بلکہ جیسا کہ مجھے ہندوستان آکر معلوم ہوا، آپ نے کچھ اس طرح کا بیان دیا تھا کہ امیدواروں کی محض صفات اور ان کی اخلاقیات و خلوص کی بناء پر حمایت کیجائے، مگر اس زمانہ میں آپ کے جذبات لوگوں سے چھپے نہیں رہے تھے کہ جس پارٹی اور اس کے لیڈر کی مطلق العنانی غیر جمہوری طرز عمل اور بعض ایسے اقدامات کا تجربہ ہو چکا ہے جو انسانی و اسلامی جذبات اور شخصی آزادی کے منافی تھے اور لوگ جس دور میں تشدد، خانہ ویرانی بلکہ خانہ

برا اندازی کا شکار ہو چکے ہیں اس کی حمایت نہ کی جائے، لیکن ریاستی مجالس قانون ساز (اسمبلیوں) کے انتخابات میں آپ نے کوئی دلچسپی نہیں لی اور آپ نے اپنے کسی رجحان خیال کا اظہار نہیں کیا حالانکہ آپ اس پوری مدت میں سب سے اہم حلقہ انتخاب (رائے بریلی) اور لکھنؤ ہی میں رہے؟

ج :- جی ہاں آپ کا یہ مطالعہ مبنی بر حقیقت ہے، وجہ یہ ہے کہ پارلیمنٹ کے الیکشن کا نتیجہ میرے لئے بڑا ہمت شکن اور مایوس کن تھا، اس سے کھلے طریقہ پر اس کا اظہار ہوا کہ ہمارے عوام میں (بلکہ سچ پوچھئے تو اکثر خواص میں بھی) نہ سیاسی شعور ہے نہ اخلاقی ضمیر، ان میں سے اگر ایک چیز بھی ہوتی تو مایوسی کی کوئی وجہ نہ تھی، کسی ملک وقوم کو سیاسی شعور تھامتا ہے اور کسی کو اخلاقی حس اور بیدار ضمیر، مگر جہاں دونوں کا فقدان ہو اس کا (اردو محاورہ کے مطابق اگرچہ یہاں بے محل ہے) خدا ہی حافظ ہے، شاید آپ کی نظر سے میرا وہ مضمون نہیں گذرا جو میں نے انتخابات شروع ہونے سے چند دن پہلے ملک کی موجودہ تشویشناک صورت حال پر لکھا تھا، جس میں میں نے الکشن کے موجودہ نظام کی بنیادی خامیاں بیان کی تھیں اور سہ روزہ "دعوت" میں شائع ہوا تھا، میں اب بھی اسی خیال پر قائم ہوں بہر حال پارلیمنٹ کے الیکشن کے نتائج نے (جو اکثر لوگوں کے لئے خلاف توقع تھے) مجھے اگر مایوس نہ کیوں دل شکستہ ضرور کیا! ورپوری صاحب، عوام کی بے حسی و بے ضمیری ملک کی تیزی سے گرتی ہوئی اخلاقی طاقت، دولت وقوت کی اندھی پرستش (جس کو میں اپنی تقریروں، "ابھرتے سورج کی پوجا"، کے الفاظ سے ادا کرتا رہا ہوں) اجتماعی مفاد پر ذاتی مفاد کو ترجیح دینے کی عادت نے غور کرنے پر مجبور کر دیا اور اس سے میری نظر میں "پیام انسانیت" کی تحریک اور جدوجہد کی ضرورت واہمیت اور واضح ہو گئی،

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے وہ اس بارہ میں کسی سے کم نہیں، بلکہ ان کے سلسلہ میں سیاسی بے شعوری اور اخلاقی بے ضمیری کے ساتھ ایک اور چیز کا اضافہ کرونگا اور وہ ہے "دینی بے حمیتی" انہوں نے اس سیاسی اور بین الاقوامی سیاق وسباق کا بھی ذرا لحاظ نہیں کیا جس کا خود عالم اسلام سے گہرا تعلق ہے اور جس میں یہ الیکشن ہو رہا تھا اور جس کا نتیجہ اب وہ اپنے ملک کی افغانستان کے بارہ میں کمزور پالیسی کی شکل میں دیکھ رہے ہیں"،

س :- آپ نے افغانستان کا نام لیکر ایک سوال کا اضافہ کر دیا جو میری فہرست میں نہ تھا، افغانستان کے بارہ میں آپ کے جذبات کا اندازہ تو اسی سے ہوتا ہے، کہ آپ نے فیصل ایوارڈ کی نصف رقم افغانی پناہ گزینوں اور مصیبت زدوں کے لئے مخصوص کر دی، پھر ۱۸ رمئی کو گنگا پرشاد میموریل ہال لکھنؤ کے جلسہ میں میں نے آپ کی تقریر سنی تھی لیکن اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ تازہ واقعات کی روشنی میں آپ کہاں تک پر امید ہیں؟

ج :- حقیقت میں افغانی مجاہدین نے پچھلی نصف صدی کی تاریخ میں جس میں نصف درجن یا اس سے زائد مشرقی واسلامی ملک بالواسطہ یا بلاواسطہ کمیونزم کے توسیع پسند اور جارحانہ مقاصد کی زد میں آئے،

مقابلہ، شجاعت اور خود داری کی ایک بالکل انوکھی مثال قائم کی ہے، جس کا افسوس ہے عرب ممالک بھی کوئی ثبوت نہیں دے سکے افغانی قوم نے اپنے اجتماعی فیصلہ اور اپنی قومی خود داری کا ایسا روشن ثبوت پیش کیا ہے جس کی قدر ہر صاحب ضمیر اور خود دار انسان کو کرنی چاہئے اور جس کی موجودگی میں کوئی ملک اور قوم ہمیشہ ہی کے لئے نہیں بلکہ طویل مدت کے لئے بھی غلام نہیں رہ سکتی"

ہماری تمنا ہے کہ روس (جس کو مظلوم و کمزور قوموں اور ملکوں کی ہمدردی کا دعویٰ ہے) حقیقت پسندی سے کام لے اور اس "کوہ کندن وکاہ بر آوردن" کے سلسلہ کو زیادہ دن قائم نہ رکھے، خدا کرے اس سلسلہ میں ان ملکوں کی مساعی (جن میں خود ہمارا ملک بھی شامل ہونے کا اعلان کرتا ہے) بار آور اور نتیجہ خیز ثابت ہوں جو روسی فوج کے واپس جانے کے لئے کہہ رہے ہیں

س :- میری یادداشت میں ایک سوال ایران کے بارے میں ہے اور افغانستان کے بعد اور بھی اس کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے، جہاں تک مجھے معلوم ہے، آپ نے ایران کی موجودہ صورت حال کے بارہ میں

ابھی تک کوئی اظہار خیال نہیں فرمایا، آپ کہاں تک وہاں کے حالات سے مطمئن ہیں اور کہاں تک غیر مطمئن؟

ج :- یہ سوال ذرا نازک، پیچیدہ اور عربی کی تعبیر کے مطابق "محرج" یعنی نزاکت اور پیچیدگی میں مبتلا کرنے والا ہے، زیادہ تفصیل سے تو اس وقت کہنے کا موقع نہیں اور میں اس پوزیشن میں بھی نہیں ہوں کہ کوئی بات پورے وثوق اور ذمہ داری سے کہہ سکوں، مجھے ایران کے جشن انقلاب کے موقع پر حکومت ایران کی طرف سے دعوت موصول ہوئی تھی لیکن میں اس وقت اپنے کو اس سفر پر آمادہ نہ کر سکا تھا اور ایرانی سفارت خانہ کے اصرار پر میں نے مولانا ابو العرفان صاحب ندوی، (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء) کو اپنی جگہ پر بھیج دیا تھا اور ان سے وہاں کے تازہ حالات معلوم ہوئے تھے، لیکن ؎ "شنیدہ کے بود مانند دیدہ"، میں خود جاتا تو اس کی بات الگ تھی، کسی ایسے ملک کے بارے میں جو نئے مسائل و مشکلات سے دوچار ہو، اور خون کے دریا سے نہا کر نکلا ہو، کوئی بات کہنا بڑی ذمہ داری کی چیز ہے، اور اس کا غلط فائدہ بھی اٹھایا جا سکتا ہے اس لئے میں اس موقعہ پر کسی قدر احتیاط و اختصار سے کام لوں گا اور صرف اتنا کہوں گا کہ اسلام کے نام جو انقلاب لایا گیا ہے اسکی ذمہ داریاں بہت عظیم ہیں قیادت و حکومت کا ہر فعل اسلام کے حساب میں محسوب ہوگا اور اس سے دنیا یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ اسلام کے ذریعہ جب انقلاب آتا ہے اور اس کی بنیاد پر جب حکومت قائم ہوتی ہے تو وہ ایسا کرتی ہے اور وہ اسلام کا قانون ہے، اس لئے ایران کے قائدین کو (جنہیں خوش قسمتی سے علمائے دین پیش پیش ہیں) اس کا ہر وقت لحاظ رکھنا چاہئے کہ اس سے اسلام اور اسکے اخلاقی تصورات و تعلیمات اور اس کے مزاج و افتاد کے بارے میں کوئی غلط تصور یا تاثر نہ قائم ہو، اور وہ بجائے نیک نام اور ہمت افزاء ہونے کے بدنام اور ہمت شکن نہ ہو، پھر یہ کہ اس کی کسی غلطی، بیجا ضد یا نا عاقبت اندیشی سے ہمسایہ اسلامی ممالک (جن میں خود جزیرۃ العرب، مرکز اسلام اور خلیج عرب کی ریاستیں ہیں) کسی شدید خطرہ سے دوچار اور کسی مصیبت کا شکار نہ ہوں جس سے یہ انقلاب "واثمھما اکبر من نفعھما" کا مصداق بنجائے،

س :- ایک دلچسپ سوال کرنے کو جی چاہتا ہے، وہ یہ کہ ہر دور میں عالم اسلام کی ایک نہ ایک شخصیت جو کسی خلاف اسلام تحریک یا خیال کی علمبردار، لادینیت، الحاد یا غالی قوم پرستی کا نشان بن گئی تھی یا اس کے افکار میں کوئی نمایاں "زیغ و ضلال" (کجی اور گمراہی) پائی جاتی تھی، آپ کی تردید و مخالفت کا نشانہ بنی رہی، اور آپ نے اس سے شدید بُعد اور انقباض کا اظہار کیا ہے، میرے ہوش سے پہلے (جیسا کہ میں نے سنا ہے اور آپ کے مضامین میں دیکھا ہے) آپ کو کمال اتاترک سے شدید اختلاف رہا ہے اور آپ اس کو اپنے عصر کا سب سے بڑا فتنہ سمجھتے رہے سنہ ۱۹۵۶ء میں جب آپ ترکی کی سیاحت سے واپس آئے اور آپ نے اپنے خیالات و مشاہدات کا اظہار کیا اور کمال کے بارے میں ترکی کے اسلام پسند اور غیور مسلمانوں کی رائے ظاہر کی تو کمال کے حامیوں کو جو صحیح حالات سے بے خبر تھے اور جن کے معلومات تحریک خلافت کے زمانہ تک محدود تھے، سخت ناگواری ہوئی لیکن آپ نے اس کی پرواہ نہیں کی تھی . . .

. . . .

. . . .

اب میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس وقت آپ کے اس "البغض فی اللہ" کا نشانہ کون ہے؟

ج :- آپ نے بڑا چبھتا ہوا سوال کیا اور داغ کہن تازہ کر دیئے، اس وقت مجھے سب سے زیادہ بُعد اور انقباض لیبیا کے صدر معمر القذافی سے ہے، مجھے شروع سے ان سے عدم مناسبت تھی، دو مرتبہ انہوں نے مجھے خصوصی دعوت دی اور میں نے معذرت کی،

آخری بار رابطہ عالم اسلامی کے علماء کے اس وفد میں مجھے جانا تھا جو "سنت" کے موضوع پر ان سے گفتگو کرنے والا تھا، لیکن میں نے عین وقت پر معذرت کر دی، بعد میں وہ لوگ ملے جو اس وفد میں گئے تھے، انہوں نے کہا کہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ نہیں گئے قذافی صاحب کا رد عمل اور گفتگو نہایت نامناسب اور تکلیف دہ تھی، اب خود آپ نے "تعمیر حیات" کے ۱۰ جون ۱۹۸۰ء کے شمارہ میں ان کے سرکاری ترجمان الزحف

الاخضر» کا جو اقتباس نقل کیا ہے اور جس میں صاف صاف خدا کی شان میں گستاخی اور بدتمیزی کی گئی ہے، اس نے تو حد کر دی مجھے بعض ذمہ دار حضرات سے جو وہاں یونیورسٹی میں پروفیسر رہے ہیں اور جو قریب سے ان کو جانتے ہیں ان کے ایسے خیالات وحالات کا علم ہے جن سے اس کے دماغی توازن اور سلامتی ہوش وحواس کے بارے میں شبہ ہوتا ہے افسوس ہوتا ہے کہ سنوسی مجاہدین کے خون سے لالہ زار خالص اسلامی سرزمین امتحان وابتلاء کے اس دور سے گذر رہی ہے،

بس ڈرتے ڈرتے ایک بات پوچھنے کو جی چاہتا ہے لیکن: ع

کرمہائے تو مارا کرد گستاخ»

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کی کتاب "عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح» آپ کے مزاج اور آپ کے دوسرے تصنیفی و تحریری کاموں سے میل نہیں رکھتی، اس کی تصنیف میں کوئی قابل احترام استاذ شامل ہے اس لئے کہ آپ کے تعلقات شروع سے جماعت والوں سے دوستانہ وبرادرانہ رہے ہیں اور دینی مسائل میں آپ نے ان کے دوش بدوش کام کیا ہے اور اب بھی آپ ان سے کھلے دل سے ملتے ہیں، بعض جلسوں کی اخباری رپورٹوں سے تو ان کے بارے میں آپ کے نرم گوشہ کا پتہ چلتا ہے، کیا آپ اس پر کچھ روشنی ڈالیں گے

ج: یہ سوال تو آپ نے بڑا نازک کیا ہے، لیکن شاید اسی تقریب سے بعض غلط فہمیوں کے رفع ہونے اور بعض ضروری پہلوؤں کے واضح ہونے کا موقع ملے آپ مجھ سے کسی قدر واقف ہیں اور لکھنے پڑھنے کے کاموں میں آپ نے میری مدد بھی کی ہے، آپ کو معلوم ہے کہ میں کسی موضوع پر اسی وقت قلم اٹھاتا ہوں جب اس کی ضرورت وافادیت کا مجھے پورے طور پر احساس ہو اور وہ مجھ پر طاری ہو جائے، فرمائشی کام مجھ سے نہیں ہوتے، یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ جماعت کے بنیادی خیالات اور مولانا مودودی مرحوم کے افکار و مضامین پر دینی حلقوں کی طرف سے تنقید کا سلسلہ سالہا سال سے جاری ہے، اور تنقید کرنے والوں میں متعدد شخصیتیں ایسی شامل ہیں جن کا میں شروع سے احترام کرتا ہوں اور جن کے خلوص وللہیت کا دل سے قائل ہوں، میرے ان سے نیاز مندانہ تعلقات بہت قدیم ہیں، لیکن میں نے اتنی تاخیر سے اس موضوع پر قلم کیوں اٹھایا اور میرا طرز اور میری گرفت ان تنقیدات اور ناقدین سے بنیادی طور پر کیوں اتنا مختلف ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ میں کچھ عرصہ سے خالص علمی، دینی اور تعمیری انداز فکر میں جماعت کے محور فکر اور اس کی اساس پر اپنے خیالات اور مطالعہ و تجربات کا نچوڑ پیش کرنا اور مخلصانہ و دوستانہ طریقہ پر اپنے اندیشوں اور خطرات کا اظہار کرنا چاہتا تھا، شروع سے میرا مرکز توجہ مولانا کی کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" تھی میرا پختہ خیال تھا اور ہے کہ اس سے دین کا فہم و ادراک اور سعی وجہد، دین کی اس حقیقی پٹڑی اور شاہراہ سے جس پر انبیاء علیہم السلام اپنے متبعین کو ڈالنا چاہتے ہیں اور جس سے عبد و معبود کا مطلوب اور دنیا و آخرت میں مفید اور ضروری تعلق قائم ہوتا ہے، اور پوری زندگی میں محبت الٰہی اور ایمان واحتساب (کسی عمل کو خدا کے وعدوں پر یقین اور اسکے اجر وثواب کی لالچ میں کرنا) جذبۂ عبادت اور فکر آخرت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، ہٹ کر سیاست وتنظیم، حصول اقتدار اور مختصراً مادیت کی پٹڑی پر اور شاہراہ پر پڑ جاتی ہے، نیز اس سے قرآن مبین کی قدرت تفہیم اور امت داعی کی صلاحیت فہم، (جو مسلسل کئی صدی تک ان بنیادی قرآنی اصطلاحات کے فہم سے قاصر اور ان کے بارے میں تاریکی میں رہی) دونوں مشکوک ہو جاتی ہیں، میرے نزدیک یہ نتیجہ جو کتاب کے مطالعہ سے نکلتا ہے بڑا سنگین اور دوررس نتائج کا حامل ہے،

میں بہت دنوں سے اس موضوع پر لکھنا چاہتا تھا اور مجھے امید تھی کہ یہ ایک ایسی جماعت کی خدمت عظیم ہوگی جس میں بڑی تعداد میں طالب حق فہیم، مخلص اور ایثار پیشہ صاحب صلاحیت، تعلیم یافتہ نوجوان شامل ہیں، لیکن میں اس پر قلم اٹھانے سے پہلے مولانا کی دوسری کتابوں اور رسائل ومضامین کا ازسرنو مطالعہ کرنا چاہتا تھا، لیکن سنہ ۱۹۶۴ء سے ۱۹۷۰ء تک (جب تک میری آنکھ کا اپریشن نہیں ہوا) میں براہ راست لکھنے پڑھنے سے تقریباً معذور تھا دوسرے سے پڑھوا کر سننے میں بڑا وقت صرف ہوتا

ہے اور پھر بھی کمی رہ جاتی ہے، جب مجھ میں مطالعہ اور نوٹ کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی تو میں نے جہاں تک ممکن ہوا مولانا کا لٹریچر جمع کرکے اس کا مطالعہ شروع کیا اس کے بعد میں نے مسلسل کئی دفعہ استخارہ کیا اور پہلی مرتبہ کہہ رہا ہوں کہ مجھے اس کام کے شروع کرنے کے واضح اشارات ملے ہیں، میں نے رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ اگست ۱۹۷۸ء میں بنام خدا اس کام کو شروع کر دیا، لکھنے کے بعد میں نے اس پر بار بار نظر ڈالی اگر کوئی جملہ ایسا قلم سے نکلا تھا، جو چبھتا ہوا اور طنزیہ تھا تو اگرچہ اس سے زور پیدا ہوتا تھا اس کو اس خیال سے نکال دیا کہ وہ مقصد میں حارج ہوگا، خدا شاہد ہے کہ اپنے نزدیک کوئی بددیانتی اور جان بوجھ کر قطع و برید سے کام نہیں لیا اور میں اب بھی پوری کتاب کے مضامین و منقولات و اقتباسات اور ان سے استخراج کئے ہوئے نتائج کی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے تیار ہوں اور اپنے اس کام پر کسی قسم کی شرمندگی یا غلطی محسوس نہیں کرتا بلکہ اس کو جماعت کی خدمت، بلکہ دین کی خدمت سمجھتا ہوں، میں اسکو ایک ایسی اصولی اور فکر انگیز کتاب سمجھتا ہوں جس کا مطالعہ جماعت سے باہر کے لوگوں کے لئے بھی مفید اور چشم کشا ہے!

اسی بناء پر میں نے عربی میں بھی اس کو منتقل کرایا اس میں مفید اضافے کئے،

پھر اردو کا دوسرا ایڈیشن اس عربی ترجمہ کی روشنی میں اضافے کے ساتھ شائع کیا،

اور اب بھی جماعت کے مخلص دوستوں کو جن میں بحمد اللہ بڑی تعداد میں طالب حق اور طالب خدا افراد کی ہے، مخلصانہ مشورہ دونگا کہ دین و آخرت کا معاملہ بڑا نازک اور اہم ہے اور رسول خدا کے سوا کوئی معصوم عن الخطا نہیں ہے اور خود مولانا نے بھی اپنے مکتوب میں صاف طریقہ پر لکھا ہے کہ "میں اپنے کو تنقید سے بالاتر نہیں سمجھتا"۔

لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ اس کتاب پر جماعت کا عمومی ردعمل میری توقع اور جماعت کے دستور کی ہدایات اور اسکی روح سے بالکل مختلف تھا، اور اس کو محض ایک مخالفانہ و حریفانہ کوشش پر محمول کیا گیا، اور اس سے بہت سے مصلحین و قائدین کی ان کوششوں کی ناکامی کی وجہ معلوم ہوئی جو وہ جماعتی عصبیت اور شخصیت پرستی کے خلاف وقتاً فوقتاً کرتے رہے ہیں اور اندازہ ہوا کہ غلو اور مبالغہ اور افراط و تفریط میں فطرت انسانی کے لئے کتنی کشش اور جاذبیت ہے، "الا من عصم ربکی وقلیل ما ھم"

باقی میرا مزاج یہ ہے کہ میں ہمیشہ حمایت و مخالفت، تعریف و تنقید دونوں میں اعتدال و توازن اور انصاف ملحوظ رکھنے اور حتی الامکان "ولا یجرمنکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ" پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں اسلئے اکثر ان دونوں فریقوں کو راضی نہیں رکھ سکتا جو ہر چیز میں غلو و مبالغہ پسند کرتے ہیں"

جہاں تک میری تقریروں کی اخباری رپورٹوں کا تعلق ہے تو میں اسکی وضاحت کردینا چاہتا ہوں کہ میری ہر تقریر کی رپورٹ کا صحیح اور مستند ہونا ضروری نہیں اس پر والتہ بددیانتی بھی ضروری نہیں، سیاق و سباق کے پورے طور پر نقل نہ کرنے اور جس تناسب سے باتیں کہی گئی ہیں ان کو قائم نہ رکھنے سے بات کچھ کی کچھ ہو جاتی ہے، رانچی کی ایک تقریر کی رپورٹ میں یہی بات نظر آتی ہے، میں صرف ان خیالات کی ذمہ داری لے سکتا ہوں جو میرے کسی تحریری مضمون یا بیان میں آئے ہوں"

س :- "ایک سوال بالکل ذاتی نوعیت کا ہے لیکن جس شخصیت کے ساتھ دعوت و پیغام مربوط ہو جائیں اور وہ دوسروں کو اعلیٰ اخلاقی اقدار اور قربانی و ایثار کی تعلیم دیتی ہو، اور بعض اوقات دوسروں کا احتساب بھی کرتی ہو، اس کے ہر عمل اور اقدام کے بارے میں اس کے ناقدین اور نیازمندوں دونوں کو اپنے طرز پر پوچھنے کا حق ہے

ج :- آپ کے سوال کی تمہید سے تو میں ڈر گیا، لیکن آپ نے ایسے قوی وجوہ و دلائل بیان کر دیئے ہیں کہ میں اب اس سے گریز نہیں کر سکتا، اس لئے بے تکلف اپنا سوال سامنے لائیے"

س :- آپ کا فیصل ایوارڈ کا بلا تکلف قبول کر لینا، پھر اس کی مبارکبادی کیلئے جو جلسے ہوئے ان میں آپ کا شریک ہونا بہت سے ان لوگوں کے سمجھ میں نہیں آیا جو آپ کے مزاج و مذاق اور خاندانی روایات سے واقف ہیں اور جن کے علم میں یہ بھی ہے کہ آپ نے دربار حکومت ہند کے عربی کے اعزاز (ایوارڈ) کے قبول کرنے سے معذرت کی، اس سلسلہ میں اگر

کوئی کڑی ہمارے علم میں نہیں آئی ہے جس کی بناء پر آپ نے اس ایوارڈ کے بارے میں ادنیٰ تامل و معذرت سے کام نہیں لیا اور آپ اس کا اظہار فرما سکتے ہیں تو ہم اسکے سننے کے مشتاق ہیں؟

ج ۔ جی ہاں! آپ کا یہ سوال حق بجانب ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ جب یہ سوال آپ کی زبان پر آہی گیا ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ اس طرز پر سوچنے والے اور احباب بھی ہونگے تو اب اس کا بقدر ضرورت جواب دینا میرے لئے ضروری ہوگیا ہے اور شاید مفید بھی ہو،،

صورت حال یہ ہے کہ اگر اس ایوارڈ کے بارے میں عام حالات میں مجھ سے دریافت کیا جاتا اور میری منظوری و نامنظوری لی جاتی تو اغلب یہ ہے کہ میں معذرت کر دیتا اور اپنے سے بہتر کسی کا نام تجویز کر دیتا، لیکن پہلی بات یہ ہے کہ مجھے اس کا اس وقت علم ہوا جب اس کا عالمی پیمانہ پر اعلان ہو چکا تھا اور میرے پاس مختلف بیرونی ممالک سے مبارک بادی کے تار آگئے، اس وقت اس کا مسترد کر دینا دیئے جانیوالے ادارہ اور خود حکومت سعودیہ کے لئے ایک توہین آمیز عمل ہوتا اور میرے لئے آئندہ اس ملک میں دعوتی کام کرنے اور ذمہ داران حکومت کو مشورہ دینے کا موقعہ نہ رہتا جس کو میں اپنے تمام دعوتی کام اور دیگر مشغولیتوں پر ترجیح دیتا ہوں اور اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتا ہوں، دوسری بات یہ ہے کہ یہ اعلان حرم شریف کے نامبارک واقعہ کے پیش آنے کے بعد (دو مہینے کے اندر اندر) ہوا اس واقعہ سے حکومت سعودیہ کی (جو خادم الحرمین الشریفین اور مسلمانوں کی عزت و آبرو کا نشان ہے) اخلاقی پوزیشن متاثر ہوئی تھی اور بہت سے لوگوں کی طرف سے (جن کے احساسات اس بارے میں تیز تھے) نشانہ ملامت و تنقید بنی ہوئی تھی، خود میں بھی وقتاً فوقتاً اس کے اعلیٰ ذمہ داروں کو بعض انتظامی و اخلاقی تربیتی و تعلیمی خامیوں اور اصلاح و ترقی کے بعض پہلوؤں کی طرف متوجہ کرتا رہتا ہوں اور اس سلسلہ میں مکاتیب و مضامین کا مجموعہ عربی میں، کیف ینظر المسلمون الی الحجاز و جزیرۃ العرب،، اور اردو میں،، حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب امیدوں اور اندیشوں کے درمیان،، اس واقعہ سے کچھ پیشتر شائع ہو چکا اس صورت میں میرا انکار کرنا اور اس کو واپس کرنا، اس پر بے اعتمادی کے عمومی اعلان کے مرادف ہوتا اور اس کو نئے نئے معنے پہنائے جاتے اور جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے کہ میرے لئے وہاں کسی دعوتی اور مشاورتی کام کے امکانات ختم ہو جاتے اور میں وہاں کی زندگی اور اداروں سے (جن کا میں سالہا سال سے رکن چلا آرہا ہوں) بالکل کٹ جاتا اور تھوڑی بہت خدمت کا امکان بھی جاتا رہتا جس کی توفیق کی توقع کیجا سکتی ہے اس لئے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ جہاں تک اس ایوارڈ کے معنوی و اخلاقی پہلو کا تعلق ہے اس کو شکریہ کے ساتھ قبول کرلوں اس سے کوئی ذاتی یا جماعتی سروکار نہ رکھوں چنانچہ میں نے اسی مضمون کا ایک خط لکھا جس کو میرے نمائندہ ڈاکٹر مولوی عبد اللہ عباس ندوی نے اس تقریب میں پڑھ کر سنایا اور الحمد للہ اس نے بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیا اور بات خوبی کے ساتھ نبھ گئی"

جہاں تک تہنیت و مبارکباد کے جلسوں میں شرکت کا تعلق ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ میں ضرور دو تین جلسوں میں شریک ہوا ہوں، لیکن شرمندگی کے احساس کے ساتھ اور جیسا کہ دار المصنفین کے جلسہ اور محترمی سید صباح الدین عبد الرحمٰن ناظم دار المصنفین کے خطاب کے جواب میں، میں نے کہا تھا،، ایاز قدر خود را بشناس،، کی کیفیت کے ساتھ، بلکہ میں نے دار المصنفین کے سپاس نامہ کے جواب میں،، ایاز کی حقیقت" پر بھی روشنی ڈالی تھی، اور اپنی علمی بے بضاعتی اور اپنی پرانی حالت کا نقشہ کھینچا تھا، جب میں اپنے استاذ محترم علامہ تقی الدین الہلالی کے خادم و رفیق کے طور پر شبلی منزل آیا تھا اور میں نے علامہ موصوف کے ذریعہ اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ مجھے جونیئر رفیق یا زیر تربیت لکھنے والے کی حیثیت سے قبول کر لیا جائے، لیکن اس وقت میں اسکا اہل نہیں سمجھا گیا تھا، میں نے وہاں یہ بھی کہا تھا کہ اس ایوارڈ سے میرا ایک بڑا نقصان ہو گیا ہے وہ یہ کہ مرزا غالب کا جب یہ شعر پڑھتا تھا تو مجھے بڑا لطف آتا تھا اب وہ لطف جاتا رہا اور وہ شعر حسب حال نہیں رہا ؎

نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا
گر نہیں ہے میرے اشعار میں معنی نہ سہی

میں نے کہا تھا کہ اشعار کی بجائے میں افکار کہدیا کرتا تھا، اور،، نہ سہی،، کہتے وقت ایک خاص زور اور خود اعتمادی پائی جاتی تھی افسوس

ہے کہ اب اس لذت سے محروم ہو گیا ہوں

بمبئی کے جلسہ مشاورت میں بھی میں نے یہ بات دہرائی تھی مجھے اندازہ نہ تھا کہ اس واقعہ کو اتنی اہمیت دی جائیگی اور بہت سے حلقوں اور لوگوں کی نگاہ میں اس اعلان کے ہوتے ہی میری "اہمیت" اتنی بڑھ جائیگی اس سے اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ عام لوگوں کی نگاہ میں اس طرح کے اعزازات کتنی بڑی سند کا درجہ رکھتے ہیں

بہر حال جو کچھ ہوا اس میں کسی ارادہ وسعی کو دخل نہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ نفس کے شر و فتن سے محفوظ رکھے جس سے حفاظت فضلِ الٰہی کے بغیر ممکن نہیں،"

وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی

س:۔ میں نے آپ کا بہت وقت لیا اب صرف ایک سوال باقی ہے اس پر اس مکالمہ کو ختم کر دونگا، کہ پندرہویں صدی ہجری اب دروازہ پر آگئی ہے کیا آپ نے اپنے قارئین اور تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے کوئی نیا علمی تحفہ جس میں اس صدی میں کام کرنے والوں کے لئے رہنمائی ہو، تیار کیا ہے؟

جواب جی ہاں! عنقریب میری کتاب "تاریخ دعوت وعزیمت" کا چوتھا حصہ جو حضرت مجدد الفِ ثانی کے تذکرہ پر مشتمل ہے پریس سے باہر آنے والا ہے، میں سمجھتا ہوں، کہ پندرھویں صدی کے لئے میری طرف سے یہ بہترین تحفہ ہوگا؛ اس لئے کہ اس سے معلوم ہوگا کہ ایک مردِ خدا نے ہزارۂ دوم کے شروع ہونے پر کیا انقلابی وتجدیدی کام انجام دیا اور وہ کن اصولوں اور طریق کار پر مبنی تھا کہ اسکو جو کامیابی حاصل ہوئی اسکی نظیر پچھلی اور اگلی صدی میں دور دور تک نہیں ملتی، بقول شاعر ؎

جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے

مولانا ہم آپ کے بہت مشکور ہیں کہ آپ نے اس انٹرویو کے لئے اپنا قیمتی وقت عطا فرمایا اور مختلف ملی، ملکی اور اسلامی دنیا کے مسائل اور دوسرے نازک اور حساس موضوعات پر آپ نے کھل کر گفتگو کی اور ہمارے تمام سوالوں کے تشفی بخش جواب دینے کی زحمت فرمائی

واقعہ یہ ہے کہ بغیر اس کے انٹرویو کا مقصد پورا نہ ہوتا اور بہت سے حقائق سے پردہ نہ اٹھتا، شاید اس کی نوبت ہی نہ آتی اگر انٹرویو نہ لیا جاتا۔۔۔

یادِ ایام

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ نے شائع شدہ اپنے مضمون
خدام الدین میں خواجہ عبدالوحید مرحوم کے جس روزنامچے کا ذکر کیا ہے اس کا
ایک حصہ اب بھی محفوظ ہے۔ یہ نصف صدی پہلے کے لاہور کی علمی و ادبی اور تہذیبی تاریخ ہے
سنہ ۱۹۳۵ء کے روزنامچے کے چند اوراق یہاں شائع کئے جا رہے ہیں ان میں عالم اسلام کی بعض
نامور شخصیات علامہ اقبالؒ، خالدہ ادیب خانم، خالد شیلڈرِیک، شریف مراکشی اور مولانا احمد علی لاہوری
کے علاوہ بہت سی اہم شخصیات سروجنی نائیڈو، ڈاکٹر انصاری، بیگم شاہنواز، علامہ عبداللہ یوسف علی وغیرہ
کے بارے میں بعض نئی معلومات ملتی ہیں۔ لاہور کے متعدد اہلِ علم ڈاکٹر سید عبداللہ، صوفی غلام مصطفےٰ تبسم،
ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی وغیرہ کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ یہ روزنامچہ خواجہ
صاحب کے فرزند مشفق خواجہ کی وساطت سے دستیاب ہوا ہے۔

(ادارہ)

۲۰ جنوری سنہ ۱۹۳۵ء

کل رات نو بجے کی گاڑی میں لاہور سے سوار ہو کر براستہ بھٹنڈہ میں اور محمد شریف پنی صاحب دہلی آج صبح پونے آٹھ بجے پہنچے۔ اسٹیشن پر مسٹر ایم اے مجید ایم اے موجود تھے ان کے ہمراہ دریا گنج میں آئے۔ ان کے کمرے میں سامان رکھا منہ ہاتھ دھویا اور بازار گئے۔

دوپہر کو جامعہ ملیہ میں گئے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کے ساتھ خالدہ ادیب خانم کے لاہور جانے کا فیصلہ کر لیا جائے۔ اس سے پیشتر ہم لوگ ڈاکٹر انصاری صاحب کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے لیکن کچھ اُن کی کثیر التعداد مصروفیات کی بنا پر اور کچھ اُنکے منیجر صاحب کی افتادِ طبع کے باعث نہ ہمیں باریابی حاصل ہوئی۔ نہ پھر کسی وقت حاضر ہونے کے لیے وقت مل سکا۔ اس لیے بہت افسوس کے ساتھ ہم وہاں سے واپس لوٹ کر جامعہ ملیہ کی طرف گئے۔

جب ہم لوگ ڈاکٹر انصاری صاحب کی کوٹھی میں اِدھر اُدھر پھر رہے تھے کانگریس پارلیمانی بورڈ کے ارکان وہاں اسمبلی کے سلسلہ میں ایک اہم سیاسی اجلاس کے لیے جمع ہو رہے تھے۔ سردار پٹیل، مسز سروجنی نائیڈو، مسٹر تصدق احمد شیروانی وغیرہ اور ہمارے سامنے مسٹر جناح بھی آ گئے۔

جامعہ میں رجسٹرار صاحب سے ملاقات ہوئی۔ جن کا نام ہمیں معلوم نہ تھا۔ ان سے دیر تک گفتگو ہوئی۔ متعدد مضامین زیرِ بحث آئے اور آخر میں اس فیصلے کے ساتھ وہاں سے اٹھے کہ اگلے روز دوپہر کو ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب سے (جو خالدہ خانم کے ساتھ آگرے سے کل واپس آنے والے ہیں) ملیں گے۔

۲۱ جنوری سنہ ۱۹۳۵ء

کل ہم نے قطب صاحب کی سیر بڑی وقتِ نظر کے ساتھ کی اس مجموعہ آثارِ قدیمہ کے متعلق سروے آف انڈیا کی ایک کتاب میرے پاس تھی جس کی مدد سے ہر چیز کے حالات معلوم ہوتے چلے گئے۔ بہت سی چیزیں پہلے متعدد بار دیکھی تھیں اب ان کو اصلیت معلوم ہوئی۔ نظام الدین گئے تو وہاں پہلی بار مرزا غالب کا مزار دیکھا۔

آج بھی گیارہ بجے شہر آ گئے۔ شریف ہوٹل کے دوسرے حصے یعنی بمبئی ہوٹل میں کھانا کھایا اور صفدر جنگ اور مقبرہ ہمایوں دیکھنے گئے۔ واپسی پر پرانا قلعہ اور اس کے اندر کی سوری مسجد دیکھی۔ وہ لائبریری بھی دیکھی جس سے گر کر ہمایوں نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی تھی ایک عظیم الشان باؤلی کے اندر بھی گئے۔ وہاں سے نکل کر نئی دہلی کا چکر کاٹا اور کناٹ سکوائر سے ہوتے ہوئے چاندنی چوک پہنچے۔ یہاں سے سیدھے ڈاکٹر انصاری کے ہاں پہنچے جہاں ڈاکٹر ذاکر حسین خاں سے بھی ملاقات کی بھی متوقع تھی ڈاکٹر صاحب تو موجود نہ تھے لیکن فرید انصاری صاحب مل گئے جو لاہور غازی حسین رؤف بے کے ساتھ تشریف لے گئے تھے کچھ دیر بعد ڈاکٹر انصاری صاحب تشریف لے آئے۔ بڑی خوش خلقی سے پیش آئے۔ اندر لیجا کر ڈرائنگ روم میں بٹھایا بہت دیر تک باتیں ہوتی رہیں لیکن ڈاکٹر ذاکر حسین خاں نہ آئے۔ کھانے کا وقت ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے بہت محبت سے اصرار کیا کہ ہم

دوگ کھانا کھائیں۔ چنانچہ کھانے کے کمرہ میں گئے وہاں خالدہ ادیب خانم اور مسز سروجنی نائیڈو موجود تھیں۔ ان سے تعارف ہوا تھوڑی دیر میں ایک یورپی خاتون مسز کیلی آکر خالدہ خانم کے دائیں ہاتھ بیٹھ گئیں۔ ان کے ساتھ مسٹر پنی بیٹھے تھے۔ میرے دائیں ہاتھ پر مسز نائیڈو تھیں اور سامنے خالدہ خانم اور بائیں ہاتھ کی طرف مسٹر مجید۔ خالدہ خانم نے سلسلۂ گفتگو چھیڑا۔ اور لاہور اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے متعلق باتیں کرتی رہیں کھانے کے دوران میں ڈاکٹر ذاکر حسین خاں، مسٹر نذیر نیازی اور دو اور بزرگ تشریف لے آئے اسی دوران میں ایک وجیہہ نوجوان ترکی ٹوپی پہنے ہوئے آئے اور ڈاکٹر انصاری اور خالدہ خانم کے درمیان بیٹھ گئے۔ معلوم ہوا کہ وہ ہز ہائی نس شریف مراکش ہیں۔ بڑے بہادر اور راست مسلمان ہیں۔

کھانے سے فارغ ہو کر ڈرائنگ روم میں آئے اور ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب سے مفصل گفتگو کے بعد فیصلہ ہوا کہ خالدہ خانم ۱۳/۱۴ یا ۱۴/۱۵ فروری کے دو دن لاہور میں گذاریں۔ اور تیسرے دن امرتسر کی سیر کریں۔ پھر شریف مراکش سے گفتگو ہوئی اور کل صبح دس بجے ان سے سیسل ہوٹل میں ملنے کا وعدہ ہوا وہ ہندوستان میں امیر عبدالکریم ریفی کی رہائی کے لیے ایجی ٹیشن کرانے آئے ہیں۔

۲۲ جنوری سنہ ۱۹۳۵ء

آج ہز ہائی نس شریف مراکش سے ان کے ہوٹل (سیسل) میں ملے وہ اپنے کمرے میں نہ تھے بلکہ نیچے وسیع ہال میں ٹہل رہے تھے جو دو طرف سے کھلا تھا۔ ہم سے بڑے تپاک سے ملے اور پھر ہم سب ایک تپائی کے گرد بیٹھ گئے۔ تقریباً نصف گھنٹہ باتیں ہوتی رہیں۔ ان کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ وہ دہلی سے لاہور جانا چاہتے ہیں اور وہاں مولانا ظفر علی خاں صاحب کے نام بھوپال سے اپنے متعلق ایک چٹھی بھی لکھوا چکے ہیں۔ میں نے ان سے وعدہ کیا کہ لاہور پہنچ کر ان کے پروگرام مولوی ظفر علی خاں صاحب کے مشورے سے بناؤں گا۔

دوپہر کے وقت ہم لوگ جامعہ گئے رجسٹرار صاحب اور پرنسپل صاحب سے ملے خالدہ خانم کے لیکچر کے لیے ایک روپیہ نقد پیش کر کے رسید حاصل کی اور یہ طے پایا کہ لاہور کے قیام اور مصروفیات کا انتظام ہم لوگوں کے سپرد ہوگا۔

۲۶ جنوری سنہ ۱۹۳۵ء

ہز ہائی نس شریف مراکش آج بذریعہ فرنٹیئر میل لاہور تشریف آور ہوئے میں نے اخبارات میں جو اعلانات اس بارے میں کیے تھے ان کی وجہ سے اسٹیشن پر خاصی رونق ہوگئی۔ غالباً جیسا اچھا استقبال ان کا یہاں ہوا اور کسی جگہ نہ ہوا ہوگا۔

اسٹیشن سے سیدھے انہیں نیڈوز ہوٹل میں پہنچایا گیا جہاں ایک سیٹ تین کمروں کا گیارہ روپے روزانہ پر لیا گیا۔ تقریباً ایک گھنٹہ آرام کرنے کے بعد ہز ہائی نس نے باہر نکلنے کا ارادہ ظاہر کیا ایک بہت اچھی نئی لینڈ باڈی والی موٹر کار کرایہ پر لی گئی (بحساب پندرہ روپے روزانہ) اور سب سے پہلے مزار حضرت علی ہجویری پر گئے۔ وہاں آپ نے فاتحہ خوانی کے بعد مسجد دیکھی جہاں نوافل ادا کیے۔ وہاں سے نکل کر شاہی مسجد گئے۔ جہاں حضرت خطیب مولانا عزیز الدین صاحب سے ملاقات کی۔ پھر شیرانوالہ دروازہ پہنچے۔ جہاں حضرت مولانا حاجی احمد علی صاحب سے تعارف ہوا اور وہاں تقریباً نصف گھنٹہ درس میں بیٹھے۔ قاری صاحب اور حافظ صاحب سے قرآن پاک سنا۔ وہاں سے نکل کر شاہدرہ اور شالامار باغ گئے۔ ان سب چیزوں سے فارغ ہو کر ہوٹل میں آئے تھوڑی دیر آرام کے بعد اسٹیفل ہوٹل میں جا کر چائے پی۔

۲۷ جنوری سنہ ۱۹۳۵ء

آج رات کو ہز ہائی نس شریف مراکش کو ہمارے دفتر اکاؤنٹنٹ جنرل پنجاب کے یونینیٹ کلب کی طرف سے برکت علی ہال میں دعوتِ طعام دی گئی۔ تقریباً چالیس مہمان مدعو تھے۔ جن میں مولانا احمد علی صاحب، مولانا داؤد غزنوی صاحب، مولانا غلام مرشد صاحب، مولانا ظفر علی خاں صاحب اور جناب برکت علی صاحب وغیرہ شامل تھے کھانے سے فارغ ہو کر میاں برکت علی صاحب نے ہز ہائی نس کا خیر مقدم کیا جس کے جواب میں انہوں نے مختصر تقریر کی۔

★

خزاں نے تازہ کوئی شگوفہ اگر کھلایا تو کیا کرو گے
بہار کا یہ حسین موسم نہ راس آیا تو کیا کرو گے

(انور صابری)

بادۂ شیراز در جامِ اردو

روزہ یکسو شد و عید آمد و دلہا برخاست
می بمیخانہ بجوش آمد و می باید خواست

نوبتِ زہد فروشانِ گران جاں بگذشت
وقتِ شادی و طرب کردنِ رنداں برخاست

چہ ملامت بوَد آں را کہ چو ما بادہ خورَد
ایں نہ عیب است برِ عاشقِ رند و نہ خطاست

بادہ نوشی کہ درُو ہیچ ریائی نبوَد
بہتر از زہد فروشی کہ درُو روی و ریاست

ما نہ مردانِ ریائیم و حریفانِ نفاق
آنکہ او عالمِ سرّست بدیں حال گواست

فرضِ ایزد بگذاریم و بکس بد نکنیم
وانچہ گویند روا نیست نگوئیم رواست

چہ بوَد گر من و تو چند قدح بادہ خوریم
بادہ از خونِ رزانست نہ از خونِ شماست

ایں نہ عیب است کزیں عیب خلل خواہد بوُد
ور بوَد عیب چہ شد، مردمِ بے عیب کجاست

حافظؔ! از عشقِ خط و خالِ تو سرگردانست
ہمچو پرگار ولی نقطۂ دل پا برجاست

خواجہ حافظؔ شیرازیؒ

روزے گذرے، عید آئی، جام و مینا چاہیئے
مَے نے میخانے کا در کھولا ہے، اب کیا چاہیئے

زاہدانِ شہر کا دَورِ ریاکاری گیا
عہدِ میخواراں ہے اب پینا پلانا چاہیئے

کیا بُرا ہے وہ جو میرے ساتھ پیتا ہے شراب
عشق کو رسوا سرِ بازار ہونا چاہیئے

زاہدا! تیری ریاکاری سے بہتر ہے وہ رند
بے ریا ہو کر جو کہتا ہے کہ پینا چاہیئے

ہم منافق ہیں نہ مردانِ ریا، اللہ گواہ
ہم کو اپنے حال پر ہرگز نہ پروا چاہیئے

ہم جسے جائز سمجھتے ہیں وہ ناجائز سہی
ہم کسی کو دُکھ نہیں دیتے، نہ دینا چاہیئے

خونِ رز ہے مے، کسی انسان کا تو خوں نہیں
کچھ گھڑی تم کو ہمارے ساتھ پینا چاہیئے

مے کشی گر عیب ہے، بے عیب ہے کوئی بشر!
ہاں گنہگاروں کو بھی رُسوا نہ کرنا چاہیئے

خال و خط کے عشق میں حافظؔ ہے سرگرداں مگر
دل کو قائم نقطۂ مرکز پہ رہنا چاہیئے

آزادؔ شیرازی

ٹیلی فون نمبر ۶۷۵۴۵ | ہفت روزہ خدام الدین لاہور | رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۷۴